مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول: (مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر: ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۵ | ذوالحجۃ ۱۴۳۵ھ / اکتوبر ۲۰۱۴ء | شمارہ ۱۰

احکام الجاہ

قدر و منزلت کے احکام

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/ ۲۰ روپے | زرسالانہ =/ ۲۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور

۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۴۹

پتہ دفتر: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۱۳/۲۰ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

(احکام الجاہ)

(قدر و منزلت کے احکام)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۹
۲	ایک اہم کوتاہی	۱۰
۳	شریعت کی آسانی	۱۱
۴	علماء سے وحشت	۱۳
۵	شریعت میں تنگی کا گمان	۱۵
۶	خرگوش کی دانائی	۱۷
۷	ہماری کم فہمی اور بے عقلی	۱۹
۸	آج کل کے محققین	۲۰
۹	تعلق باللہ	۲۲
۱۰	اسباب محبت	۲۳
۱۱	عشق اللہ ہی سے ہونا چاہئے	۲۴
۱۲	تقریب الی اللہ	۲۵
۱۳	خدا تک رسائی	۲۶

۱۴	رسائی کی شرط	۲۷
۱۵	عمل کی اہمیت	۲۹
۱۶	عاشق کا حال	۳۰
۱۷	حکام کے ساتھ ہمارا برتاؤ	۳۱
۱۸	اثر و جاہت	۳۲
۱۹	جاہ کے معنی اور حکم	۳۴
۲۰	ہمارا حال	۳۴
۲۱	ترقی کی حقیقت	۳۶
۲۲	بغیر استاد قرآن فہمی کا نقصان	۳۹
۲۳	جاہ کی حدود	۴۰
۲۴	حکومت اور شریعت	۴۲
۲۵	حضرت عمر h کی تواضع	۴۲
۲۶	حاکم ہونے کا حقیقی مستحق	۴۳
۲۷	حضرت عمر h کا معیارِ انتخاب	۴۴
۲۸	طالب منصب کا حکم	۴۵
۲۹	واعظین کا حال	۴۵

۳۰	واعظین کے انتخاب کا طریقہ	۴۶
۳۱	جاہل واعظ	۴۷
۳۲	جاہل پیر	۴۹
۳۳	کشف کوئی کمال نہیں	۵۰
۳۴	بعض لوگوں کے نزدیک معیار بزرگی	۵۱
۳۵	شیخ کامل کا معیار	۵۲
۳۶	آج کل کے پیر	۵۲
۳۷	منصب پیری کا مقتضی	۵۳
۳۸	خودرائی کا انجام	۵۳
۳۹	جاہل پیروں کی جاہلانہ تحقیقات	۵۴
۴۰	طلب منصب کی صورت	۵۶
۴۱	نااہلوں کے فیصلے	۵۸
۴۲	حضور ﷺ کی بدنی قوت	۵۸
۴۳	حضور اکرم ﷺ کا اصلی مذاق	۶۱
۴۴	جاہ طلبی	۶۲
۴۵	امام صاحب کا عہدہ قضاء سے انکار	۶۲

۴۶	آج کل عہدے کی طلب	۶۳
۴۷	خلوص کا امتحان	۶۳
۴۸	جاہ کا مصرف	۶۴
۴۹	اساتذہ کا طلباء سے برتاؤ	۶۶
۵۰	حکام اور میاں جی کے لئے دستور العمل	۶۷
۵۱	نسب اور فخر	۶۹
۵۲	حصول چندہ میں احتیاط	۷۰
۵۳	باطنی تصرف	۷۱
۵۴	تصرف باطنی کا حکم	۷۱
۵۵	سفارش کا مسئلہ	۷۲
۵۶	خلاصہ وعظ	۷۳

t

وعظ

(احکام الجاہ)

(قدر ومنزلت کے احکام)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے وعظ ''احکام الجاہ'' ۱۵ رجب ۱۳۳۷ھ کو بمقام بارہ بنکی کرسی پر تشریف فرما ہوکر بیان فرمایا پونے چار گھنٹے میں مکمل ہوا اندازاً سامعین کی تعداد ایک ہزار افراد تھی حکیم محمد یوسف صاحب بجنوری نے قلم بند فرمایا۔

حصول اقتدار کے فواد ونقصانات کو تفصیل سے بیان کیا کہ جاہ کے معنی قدر ومنزلت حاصل ہونے کے ہیں جس کا ایک خاص اثر لوگوں پر پڑتا ہے۔ اس کے استعمال کرنے کے بھی شریعت میں احکام ہیں۔ آخرت میں اس بارے میں بھی سوال ہوگا کہ اپنے اس منصب کو کیسے حاصل کیا اور کہاں استعمال کیا جیسے دولت کے بارے میں سوال ہوگا کہ کہاں سے کمائی کہاں خرچ کی۔

اللہ تعالیٰ جاہ کے احکام کو سمجھنے اور شریعت کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

خلیل احمد تھانوی

۲۰۱۴/۱۲/۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

(فقد قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الا کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیتہ)(۱)

تمہید

یہ ایک بڑی حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں ایک ضروری مضمون مذکور ہوا ہے جس کی ہر وقت ہر شخص کو کم وبیش ضرورت ہے اول تو اس وجہ سے یہ مضمون ضروری ہے کہ ارشاد فرمودہ ہے جناب رسول اللہ ﷺ کا جس کی ہر فرد اور ہر فرد کا ہر جزو ضروری ہے پھر حضور ﷺ کے فرمودہ مضامین میں بھی بعض وجوہ سے باہم تفاوت(۲) ہوتا ہے پھر اوقات مختلفہ کے لحاظ سے بھی بعض مضامین کی اہمیت بڑھ جاتی ہے کہ کسی وقت کسی مضمون کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور کسی وقت کسی مضمون کی۔

(۱) الصحیح للبخاری: ۷۷/۹، الصحیح لسملم کتاب الامارۃ: ۲۰، سنن الترمذی: ۱۷۰۵ مشکوٰۃ المصابیح: ۳۶۸۵۔ (۲) فرق ہوتا ہے۔

غرض ضرورت کے اسباب مختلف ہیں اور جیسے اسباب ضرورت میں سے کسی مضمون کے منافع (۱) کا زیادہ ہونا یا مضرت (۲) سے زیادہ محافظ ہونا ہے ایسے ہی اسباب ضرورت میں سے ایک قوی سبب غفلت بھی ہے۔ یعنی کوئی مضمون واقع میں تو ضروری ہے مگر پھر بھی اس سے غفلت ہے اس سے بھی ضرورت بڑھ جاتی ہے چنانچہ یہاں یہ وجہ بھی موجود ہے اور اس وقت اس عارض کی وجہ سے بھی اس مضمون کو اختیار کیا گیا ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ جو مضمون اس مقام پر اس حدیث کا مدلول ہے وہ ایسا ہی ہے کہ باوجود ضروری ہونے کے ہم لوگوں کو اس کی طرف التفات (۳) نہیں اس وجہ سے بھی اس کا بیان کرنا زیادہ ضروری ہوگیا یہ تو ضرورت کے اصل اسباب ہیں۔

ایک اہم کوتاہی

باقی اس وقت ایک اتفاقی نکتہ اور لطیفہ بھی ہوگیا وہ لطیفہ یہ ہوا کہ اس سے قبل جو لکھنؤ میں بیان ہوا تھا اس میں، میں نے حقوق مالیہ کو بیان کیا تھا یعنی یہ بتلایا تھا کہ مال کے حقوق کیا ہیں اور اس کے متعلق ضرورت کے موافق بیان ہوگیا تھا جس کا حاصل یہ تھا کہ آج کل مسلمانوں کو مال کے حقوق سے اس حیثیت سے غفلت ہے کہ مال کہاں سے حاصل کرنا چاہئے اور کہاں استعمال کرنا چاہئے۔

علماء سے اگر احکام پوچھے جاتے ہیں تو نماز روزہ کے پوچھے جاتے ہیں یہ نہیں پوچھا جاتا کہ ہماری آمدنی کا یہ ذریعہ ہے آیا یہ حلال ہے یا حرام یا میں نوکری کرتا ہوں اور میرا فرض منصبی یہ ہے اور منصب کے علاوہ میں فلاں فلاں کام منافع حاصل کرنے کے لئے کرتا ہوں یہ وسائل آمدنی کے ہیں۔ آیا یہ حلال ہیں یا حرام

(۱) فوائد (۲) نقصان سے بچاؤ (۳) توجہ۔

یا میں زراعت کرتا ہوں اور زمیندار سے یہ معاہدہ کرنا پڑتا ہے آیا یہ جائز ہے یا ناجائز۔ یا میں زمینداری کرتا ہوں اور میرا کاشتکاروں سے یہ معاملہ ہے فلاں فلاں صورتیں پیش آتی ہیں۔ آیا یہ صورتیں جائز ہیں یا ناجائز۔ ان امور کی طرف کسی کو التفات نہیں الا ماشاء اللہ!

بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو دنیا کی کارروائی ہے(۱) اس میں شریعت سے کیا واسطہ؟ شریعت نے تو صرف نماز روزہ سکھلایا ہے اور بعض لوگوں کا یہ اعتقاد تو نہیں کہ شریعت کو ان امور سے تعلق نہیں مگر وہ یہ گمان پکائے ہوئے ہیں کہ پوچھنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ حکم تو ہمیں پہلے ہی سے معلوم ہے کہ لا یجوز کا فتویٰ ملے گا۔ (مطلب یہ ہے کہ اگر ہم علماء سے پوچھیں گے بھی تو وہ یہی بتلائیں گے کہ جائز نہیں پھر پوچھنے سے کیا نتیجہ یہ تو ہم پہلے ہی سے جانتے ہیں)

خیال تو فرمائیے کہ یہ کتنا بڑا غلط گمان ہے اور لوگوں نے شریعت کو کیسا دشوار سمجھ لیا ہے حالانکہ شریعت بہت آسان ہے وہ تو سراسر رحمت ہی رحمت ہے خدا تعالیٰ کی۔

شریعت کی آسانی

چنانچہ ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ یہ آیتیں یعنی ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ ﴾(۲) الخ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں۔ یہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو ظاہر کرتی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ معاملہ کبھی نقد انقدی ہوتا ہے کہ اس ہاتھ دیا اور اس ہاتھ لیا اور کبھی تدائین(۳) کے طور پر ہوتا ہے کہ نقد دام نہیں دیئے جاتے یا قرض لیا جاتا ہے تو اس آیت میں دونوں کو ظاہر فرمادیا ہے

(۱) دنیاوی کام (۲) سورۃ البقرۃ: ۲۸۲ (۳) ادھار۔

چنانچہ فرماتے ہیں ﴿وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ﴾ کہ نقد انقدی معاملہ میں گواہ ضرور کرلیا کرو کیونکہ اگر کسی وقت منازعت (۱) واقع ہوتو چار آدمی فیصلہ تو کردیں گے۔ اور جو معاملہ دَین (۲) کا ہوتو مزید ارشاد یہ ہے کہ اس کو لکھ بھی لیا کرو تاکہ غلطی سے امن ہو۔ خیال تو فرمائیے کہ جب حق تعالیٰ نے ایک پیسہ اور ایک روپیہ کا ضرر دنیوی (۳) اپنے بندوں کے لئے گوارا نہیں فرمایا حالانکہ ساری دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی حقیقت نہیں رکھتی، تو اپنے بندوں کے لئے بڑے بڑے ضرر (۴) ان کو کیسے گوارا ہوں گے پھر یہ کیا تھوڑی دلیل ہے رحمت کی۔

بات یہ ہے کہ لوگوں نے حق تعالیٰ کے احکام دیکھے ہی نہیں جو معلوم ہوتا کہ ان میں کتنی سہولت اور کس قدر مصالح ہیں۔ ابواب فقہ کو نہیں دیکھا۔ قرآن و حدیث کو نہیں دیکھا۔ قرآن شریف کا ترجمہ علماء سے پڑھئے تو معلوم ہو کہ احکام میں کس قدر سہولت ہے چنانچہ حق تعالیٰ صاف صاف ارشاد فرماتے ہیں ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (۵) کہ حق تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں اور تنگی کرنا نہیں چاہتے۔ اور فرماتے ہیں۔ ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (۶) ''کہ اللہ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں کی''

اور حدیث میں ہے الدین یسر کہ دین آسان ہے اجمالاً یہ نصوص کافی ہیں باقی اگر تفصیل کی ضرورت ہوتو تھوڑا سا وقت اس کی تحقیق میں صرف کیجئے مگر آپ تو رات دن دنیا کی تحصیل میں منہمک ہیں (۷) آپ کو اس طرف توجہ ہی نہیں اور توجہ اس واسطے نہیں کہ اس کے لئے آپ کو ایک دوسرے مجمع میں آنا پڑے گا یعنی مجمع علماء میں ایسوں کے پاس اس کے لئے آپ کو جانا ہوگا جن سے آپ کو وحشت ہے جس کے اسباب مختلف ہیں۔

(۱) جھگڑا ہو (۲) ادھار (۳) دنیوی نقصان (۴) نقصان (۵) سورۂ بقرہ: ۱۸۵ (۶) سورۂ مائدہ: ۸ (۷) دنیا کے حاصل کرنے میں کھپے ہوئے ہیں۔

علماء سے وحشت

چنانچہ بعض کو تو علماء سے اس لئے وحشت ہے کہ شاید کچھ چندہ مانگنے لگیں اور بعض کو اسلئے کہ ہمارے اوپر کفر کا فتویٰ لگاویں گے۔ اس لئے وہ اپنے گھر ہی میں بیٹھتے ہیں یا اپنی جماعت کے ساتھ رہتے ہیں بعض کو اس لئے وحشت ہوتی ہے کہ وہ زراعت وتجارت حرام طریقہ سے کرتے ہیں۔ اس لئے کسی عالم کے پاس نہیں جاتے کہ وہ اس کو حرام بتلائے گا۔

صاحبو! میں کہتا ہوں کہ علماء کے ساتھ جو آپ کو بدگمانی ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ علماء مسائل کو نقل کرتے ہیں یا اختراع کرتے ہیں۔ (یعنی گھڑتے ہیں) اختراع کا گمان تو غلط ہے کیونکہ ان کے پاس ہر فتویٰ کی دلیل شرعی موجود ہے اور اگر یہ گمان نہیں تو پھر ان کی طرف سختی کا گمان کیسا۔ یہ گمان تو رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے (کیونکہ احکام تو حضور ﷺ کے بیان فرمائے ہوئے ہیں نہ کہ علماء کے) اور حضور ﷺ کی طرف اس گمان کا غلط ہونا صاف ظاہر ہے آپ ﷺ کا تو لقب (رحمة العالمین) ہے آپ تو رحمت مجسمہ بنا کر بھیجے گئے ہیں تمام جہان کے واسطے پھر یہ کیا غضب ہے کہ خدا تعالیٰ تو آپ کو رحمت فرمائیں اور یہ شخص آپ کو زحمت سمجھے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾(۱)

حق سبحانہ تعالیٰ اس آیت میں احسان جتلاتے ہیں کہ ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا جن کی یہ شان ہے کہ وہ اللہ کی آیتیں سناتے ہیں اور کتاب

(۱) سورہ آل عمران: ۱۶۴۔

وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور تم کو پاکیزہ بناتے ہیں۔

پس اگر معاذ اللہ آپ ﷺ کے احکام موجب زحمت ہیں جیسا بعض لوگوں کا خیال ہے تو پھر حضور ﷺ کے ارسال میں کیا منت ہوئی(۱) جو من اللہ میں مذکور ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں حق تعالیٰ: ﴿ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ ﴾ (۲) ''کہ ہم نے ایسا نبی بھیجا ہے جس کی شان یہ ہے کہ طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کرتے ہیں''۔

معلوم ہوا کہ آپ گندی اور مضر چیزوں کو حرام کرنے آئے ہیں اور سختیوں کو موقوف کرتے ہیں جب آپ کی یہ شان ہے تو پھر آپ پر سختی کا گمان کیسا؟

اس غلطی کے رفع ہونے کی سہل تدبیر یہ ہے کہ کسی متبحر عالم(۳) سے قرآن وحدیث پڑھئے زیادہ نہیں تو ان سے اردو ہی کے رسالے دیکھ لیجئے مگر یہ سمجھ لیجئے کہ اس کام کے لئے آپ کو ایسوں کے پاس جانا پڑے گا جن سے آپ کو وحشت ہے لیکن اگر اپنے دین کی حفاظت چاہتے ہو تو ایسے لوگوں کے پاس جاؤ خواہ تھوڑے ہی زمانے کے لئے جاؤ پھر یہ حالت ہوگی کہ تمام عمر وہاں سے کسی اور جگہ جانا پسند نہ کروگے اسی کو تو مولانا فرماتے ہیں:

خواب را بگذار امشب اے پسر یک شبے در کوئے بیخوابان گزر

ایک رات کے لئے ذرا سونا چھوڑ دو اور اللہ والوں کے پاس جا کر رہو تو معلوم ہوگا کہ وہ لوگ رات کو کیا کرتے ہیں ان کی شب بیداری کا لطف دیکھ کر اپنی نیند کا لطف بھول جاؤ گے اور غفلت بھی خواب ہی کے حکم میں ہے۔ اور اعتقاد سے نہ آؤ تو امتحاناً ہی آکر دیکھ لو ان حضرات کی صحبت میں رہ کر معلوم ہوگا کہ کتنی وسعت ہے شریعت میں۔

(۱) کیا احسان ہوا (۲) سورۂ اعراف: ۱۵۷ (۳) کسی بڑے عالم سے۔

شریعت میں تنگی کا گمان

باقی آج کل جو بعض لوگوں کو شریعت میں تنگی کا گمان ہے اس کا بھی ایک منشاء ہے وہ یہ کہ اکثر لوگوں کو یہ بات پیش آتی ہے کہ وہ مولانا کے پاس مسئلہ پوچھنے گئے مولانا نے جواب دیا کہ یہ جائز نہیں۔ کوئی تجارت یا زراعت کی صورت پیش کی تو انہوں نے لایجوز کہہ دیا(۱) کسی نے چار مسئلے پوچھے تو انہوں نے ہر دفعہ لایجوز (جائز نہیں) ہی فرمایا۔ اس سے انہوں نے سمجھا کہ بس شریعت میں لایجوز ہی ہے اور کچھ نہیں۔

اس واقعہ کی تکذیب کوئی نہیں کرسکتا مگر اس کی حقیقت سمجھنا چاہئے کہ مولوی صاحب نے آپ کے سوالات کے جوابات میں جو لایجوز کہا ہے تو اس کا سبب کیا ہے؟ آیا اس کا سبب شریعت کی تنگی ہے یا آپ کے طرز معاشرت کی خرابی اور آپ کی آزادی و وارستگی ہے(۲)۔ سو حقیقت یہ ہے کہ آپ کے معاملات اکثر فاسد ہوگئے ہیں(۳) آپ ایسے حال میں پھنسے ہوئے ہیں جس کو کوئی عاقل بھی پسند نہیں کرسکتا اب شریعت ان کو ناجائز نہ کہے تو کیا کہے۔ اب فرمایئے تنگی آپ کے اندر ہے یا شریعت میں۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بیمار حکیم کے پاس آیا اور حکیم سے کہا کہ مجھے کھانے کو بتلا دیجئے حکیم صاحب نے کہا کہ بکری کا گوشت کھاؤ مریض نے کہا کہ وہ تو ہمارے گاؤں میں ہوتا ہی نہیں حکیم نے کہا کہ کبوتر کھاؤ فاختہ کھاؤ، کدو ککڑی کھاؤ، پالک کھاؤ، غرض جو چیز حکیم بتلاتا رہا اس کے جواب میں مریض کہتا رہا کہ یہ چیز ہمارے گاؤں میں نہیں ہوتی اور ہمارے ہاں تو بینگن ہوتے ہیں آلو ہوتے ہیں بھینس کا گوشت ہوتا ہے۔ غرض تمام مضر چیزیں(۴) گنا ڈالیں۔ حکیم صاحب

(۱) انہوں نے کہا کہ جائز نہیں (۲) آپ کی آزادی ہے (۳) خراب (۴) نقصان دہ۔

نے ان سب کے جواب میں بھی یہی کہا کہ تو تو ان چیزوں کے پاس تک نہ جانا اب اگر یہ مریض یوں کہنے لگے کہ طب یونانی اس قدر تنگ ہے کہ اس میں میرے واسطے ایک غذا بھی جائز نہیں اس میں تو لا یجوز ہی ہے۔ ہم تو اب ڈاکٹری علاج کریں گے تو کیا اس کا یہ کہنا درست ہوگا ہرگز نہیں کیونکہ منشاء (۱) اس کا قواعد طبیہ کی تنگی نہیں بلکہ اس میں تو صدہا قسم کی جائز غذائیں موجود ہیں مگر اس کو کیا کیا جائے کہ اس ظالم کے گاؤں میں تمام مضر ہی مضر چیزیں ہیں (۲) یہ پیداوار کی تنگی ہے۔ یقیناً اس شخص سے یوں ہی کہا جائے کہ اس ظالم کے گاؤں میں تمام مضر ہی مضر چیزیں پیدا ہوتی ہیں تنگی کا الزام طب پر جب ہوسکتا ہے جب کہ طب کی کتابوں میں دیکھو کہ کوئی غذا اس کے مزاج کے موافق ملے ہی نہیں جب یہ نہیں تو تنگی کا شبہ طب پر نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح شریعت کا قانون تنگ نہیں کتابیں دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ شریعت نے معاملات کی کتنی صدہا صورتیں جائز کی ہیں اور ماسوائے چند چیزوں کے ناجائز کہا ہے فقہ کی کتابوں میں معاملات کو دیکھئے کتاب البیع (۳) دیکھئے خیار شرط (۴) ملاحظہ کیجئے کتاب العرف (۵) پر نظر ڈالئے کتاب الدعویٰ دیکھئے کتاب المساقات مطالعہ کیجئے ان سب کی تحقیق کرکے پھر شمار کیجئے کہ کتنے واقعات میں یجوز ہے اور کتنے میں لا یجوز (۶) یقین کیجئے آپ سو معاملات دیکھیں گے تو ساٹھ میں یجوز اور چالیس میں لا یجوز نکلے گا اگر ہم کتابوں سے دکھاویں کہ شریعت نے اتنے ذرائع آمدنی کے جائز کئے ہیں اور چند کو ناجائز کیا ہے تو پھر شریعت پر تنگی کا الزام کیسے ہوسکتا ہے مگر اس کا کیا علاج کہ آپ کی معاشرت ہی خراب ہے آپ نے حلال طریقے چھوڑ کر زیادہ تو حرام ہی ذرائع آمدنی کے اختیار کر رکھے ہیں۔ تو یقیناً شریعت یہی کہے گی کہ اگر کوئی کسی پر ظلم کرے کسی کا مال زبردستی چھینے سود لے،

(۱) اسکی وجہ (۲) نقصان دہ چیزیں (۳) خرید وفروخت (۴) شرط کا بیان (۵) عرف عام کا بیان پڑھیئے (۶) کتنی چیزوں کو شریعت نے جائز کہا اور کتنی کو ناجائز۔

رشوت لے تو یہ حرام ہے ناجائز ہے۔ مگر اس حالت میں یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ شریعت میں تنگی ہے بلکہ یہ تنگی تو ہماری طرف سے ہے وہ یہ کہ سب نے مل کر آمدنی کے وسائل وہی اختیار کئے ہیں جو کسی طرح جائز نہیں ہوسکتے ہم نے ان کو اپنی طرز معاشرت کا جزو بنا رکھا ہے۔ اب جب اس کے خلاف شریعت میں نکلتا ہے تو کہتے ہیں کہ شریعت میں بڑی تنگی ہے۔ انصاف سے بتلایئے کہ تنگی کدھر سے ہوئی افسوس ہے کہ تنگی ہمارے افعال بے جا سے ہوئی اور الزام ہے شریعت پر ہماری وہ حالت ہے جیسے مولانا فرماتے ہیں:

حملہ بر خودمے کنی اے سادہ مرد ہم چوں آں شیرے کہ بر خود حملہ کرد

''شیر نے اپنے نزدیک دوسرے پر حملہ کیا تھا مگر حقیقت میں وہ حملہ اپنے اوپر تھا''

خرگوش کی دانائی

مولانا نے مثنوی میں ایک حکایت لکھی ہے کسی جنگل میں ایک شیر آ گیا تھا اور اس نے نخچیروں کو (یعنی شکار کے جانوروں کو) پریشانی میں ڈال دیا تھا۔ جانور یہ حالت دیکھ کر گھبرا گئے۔ اور جمع ہوکر اس کے پاس پہنچے اور کہا کہ حضور کو تکلیف کرنے کی کوئی حاجت نہیں یہی حضور کے واسطے ہم میں سے ایک جانور روزانہ بلاناغہ نمبروار آجایا کرے گا۔ چنانچہ معاہدہ ہوگیا اور ایک جانور روزانہ آتا رہا۔ ایک دن ایک خرگوش کی نوبت آئی (۱) یہ جاتا نہ تھا دوسرے جانوروں نے کہا کہ خدا کے لئے تو چلا جا کہیں معاہدہ کے خلاف کرکے سب پر آفت نہ آجائے۔ جبراً وقہراً مچل مچل (۲) کر گیا چونکہ جانے میں بہت دیر ہوگئی تھی شیر بھوک کے مارے غصہ ہو رہا

(۱) باری آگئی (۲) بامر مجبوری آہستہ آہستہ گیا۔

تھا۔اس کو دیکھتے ہی کہنے لگا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ تم سے عہد پورا نہ ہو سکے گا اب میں سب کو خوب ٹھیک کروں گا۔

خرگوش پہلے ہی سے شیر کی ہلاکت کی تدبیر سوچ کر گیا تھا بولا حضور پہلے قصہ تو سن لیجئے آپ اپنے نخرہ ہی میں تل رہے ہیں (۱) آپ کو خبر ہی نہیں کہ یہاں کیا سے کیا ہو گیا آج ایک بڑا زبردست واقعہ ہو گیا ہے میں بڑی مشکل سے جان بچا کر آیا ہوں اسی واسطے دیر بھی ہو گئی چلا تو تھا میں وقت ہی پر مگر اس جنگل میں ایک دوسرا شیر آ گیا ہے آج ہم حضور کے واسطے دو بھائی آئے تھے راستہ میں حملہ کر کے اُس نے ایک کو پکڑ لیا اور میں بڑی مشکل سے جان بچا کر آپ تک پہنچا ہوں۔ میں نے حضور کا نام لے کر اس کو ڈرایا بھی دھمکایا بھی مگر اس نے ذرا پرواہ نہ کی اور کہا کل سے ہمیں راتب دیا کرو اس کو نہ دیا کر (۲) وبس پہلے آپ اس کا انتظام کیجئے ورنہ کل سے آپ کا روزینہ بند ہے (۳) وہ راستہ ہی میں آپ کا راتب (۴) چھین لیا کرے گا۔

شیر نے غصہ میں آ کر کہا کہ اس کو ہمیں بتلاؤ۔ خرگوش راستہ میں ایک کنواں دیکھ کر گیا تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا وہاں لے گیا اور کہا حضور وہ شیر اس میں رہتا ہے مجھ کو تو خوف معلوم ہوتا ہے آپ مجھ کو اپنی آغوش میں لے لیں (۵) تو میں اس کو دکھا دوں۔ چنانچہ شیر نے ایسا ہی کیا خرگوش نے کہا کہ کنویں میں جھانک کر دیکھئے اس خرگوش کو آغوش میں لئے ہوئے وہ کھڑا ہے کنویں میں شیر نے جو جھانکا تو اس کا عکس پڑا دیکھا کہ ایک شیر خرگوش کو آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ شیر شجاع تو ہوتا ہی ہے اس کو پھینک کر کنویں میں کود پڑا۔ جب خرگوش نے دیکھا کہ اس کا کام تمام ہو گیا ہے تو آپ کہتے ہیں تسلیمات، آداب عرض ہے۔ شیر پانی میں ڈوب کر مر گیا اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

حملہ بر خود مے کنی اے سادہ مرد ہم چوں آں شیرے کہ بر خود حملہ کرد

(۱) آپ بلاوجہ غصہ ہو رہے ہیں (۲) ہمیں کھانا دیا کرو اس کو نہ دیا کرو (۳) آپ کا کھانا بند (۴) کھانا (۵) اپنی گود میں لے لیں۔

''شیر نے اپنے نزدیک دوسرے پر حملہ کیا تھا مگر حقیقت میں وہ حملہ اپنے اوپر تھا''

ہماری کم فہمی اور بے عقلی

جیسے ایک حبشی کی حکایت ہے کہ راستہ میں چلا جارہا تھا ایک آئینہ پڑا ہوا ملا اسے اٹھا کر دیکھا تو اس میں اپنی شکل نظر آئی سیاہ رنگ موٹے موٹے ہونٹ آپ اپنی شکل کی زیارت سے تمام عمر میں اسی وقت مشرف ہوئے تھے (۱) خفا ہوکر آئینہ کو پتھر پر دے مارا اور کہا کہ کم بخت! جب تو ایسا بدشکل تھا جب ہی تو تجھ کو راستہ میں کوئی پھینک گیا۔

اسی طرح ایک احمق کی حکایت ہے کہ اس کا لڑکا ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا لے رہا تھا اتفاق سے وہ ٹکڑا اس کے ہاتھ سے لوٹے میں گر پڑا جس میں پانی بھی تھا اس نے جھانک کر دیکھا تو اس کو اپنی شکل نظر پڑی تو وہ کہتا ہے کہ ابا ابا اس نے میرا ٹکڑا چھین لیا باپ نے جو اس میں جھانک کر دیکھا تو اس کو اپنی شکل نظر پڑی دیکھا کہ ایک شخص ہے بڑی سی داڑھی والا آپ کہتے ہیں کہ اتنی بڑی داڑھی لگا کر بچے کا ٹکڑا چھینتے ہوئے شرم تو نہ آئی۔

ایک اور حکایت ایسی ہی یاد آگئی متعدد مثالوں سے مضمون خوب واضح ہوجاتا ہے اس لئے بیان کی جاتی ہیں وہ یہ کہ ایک دفعہ لوگ چاند دیکھ رہے تھے اور اس وقت ایک عورت بچہ کو پاخانہ کرا رہی تھی جلدی جلدی اس سے فارغ ہوکر بچہ کو پونچھ پانچھ کر وہ بھی چاند دیکھنے لگی اتفاق سے اس کی انگلی میں پاخانہ لگا رہ گیا تھا عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ ناک پر انگلی رکھ کر بات کرتی ہیں تو وہ عورت چاند دیکھتے ہوئے ناک پر انگلی رکھ کر کہتی ہے اے ہے! آج ایسا سڑا ہوا چاند کیوں نکلا یہ خبر نہیں کہ وہ خود ہی سڑی ہوئی تھی۔

(۱) زندگی میں پہلی مرتبہ آئینہ میں اپنا منہ دیکھا تھا۔

صاحبو! اسی طرح شریعت میں جسے تنگی نظر آتی ہے وہ خود تنگ ہے پھر میں اخیر بات کہتا ہوں کہ اگر فرض کرلو شریعت میں تنگی ہوتی بھی تو سوال یہ ہے کہ آپ کو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے تھا میں کہتا ہوں کہ ہم لوگ جس گورنمنٹ کی علمداری (۱) میں رہتے ہیں اگر وہ گورنمنٹ کوئی سخت قانون مقرر کردے تو آپ کیا کریں گے اس صورت میں تین شکلیں ہیں یا تو اس قانون کو تسلیم کرو یا گورنمنٹ سے لڑو یا اس کا ملک چھوڑ کر کہیں اور چلے جاؤ تینوں شکلوں میں سلامتی کی بات یہ ہے کہ تسلیم کرلو۔

اسی طرح خدا تعالیٰ کے احکام اگر کسی کو سخت یا تنگ نظر آتے ہیں تو یا تو حق تعالیٰ سے لڑے یا خدا کا ملک چھوڑ کر کہیں چلا جاوے مگر یہ بتلاؤ کہ لڑو تو کیسے لڑو اور وہ کون سا ملک ہے جہاں چلے جاؤ گے تو یہ دونوں شکلیں یہاں محال ہیں بس تیسری ہی شکل رہ گئی کہ تسلیم کرلو باقی آپ نے جو تجویز کر رکھا ہے کہ جو قانون سمجھ میں نہ آیا اسے چھوڑ دیا یہ تو بالکل ہی بے عقلی ہے۔

آج کل کے محققین

آج کل بعض لوگوں نے کمال کیا ہے کہ انگریزی کے بی اے، ایم اے ہوکر شریعت مقدسہ کے محقق بنتے ہیں ان لوگوں کو اتنی بھی عقل نہیں کہ جس نے پچاس برس دین کی خدمت میں صرف کردیئے ہوں اور چراغ کا دھواں سیروں اس کے دماغ میں سما گیا ہو (۲) تو وہ محقق نہ ہو اور یہ حضرت تھوڑی سی انگریزی پڑھ کر محقق ہوگئے۔

آج کل کے محققین اور مدققین کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص گلستان دیکھ کر اس کا محقق ہوگیا تھا اتفاق سے دو شخصوں میں لڑائی ہوگئی ایک ان میں سے

(۱) جس حکومت کے ماتحت ہیں (۲) کیونکہ اس زمانے میں روشنی بذریعہ چراغ ہوتی تھی۔

ان حضرت کے دوست تھے وہ پٹ بھی رہے تھے اور پیٹ بھی رہے تھے(۱) آپ نے یہ دیکھ کر دوست کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے انجام یہ ہوا ان کے دوست صاحب خوب پٹے اور آپ اپنی اس حرکت پر بڑے خوش ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے گلستان میں جو پڑھا تھا۔

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست در پریشاں حالی و درماندگی

''دوست وہ ہے جو پریشان حالی اور درماندگی میں اپنے دوست کا ہاتھ پکڑے''

آج اس پر عمل کرنے کا اچھا موقع ملا اور اپنے نزدیک دوست کا پورا حق ادا کر دیا تو جیسے وہ گلستان کے محقق تھے ایسے ہی یہ لوگ آج کل قرآن وحدیث کے محقق ہیں۔

ان ہی میں سے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ انہوں نے امام مقیم کے ساتھ نماز پڑھی جب امام دو رکعت پڑھ چکا آپ دونوں طرف سلام پھیر کر بیٹھ گئے امام نماز میں ہے اور مقتدی پہلے ہی فارغ ہو گیا میں دیکھ کر سمجھا قیام سے کوئی عذر ہوگا جو بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں مگر میں نے دیکھا ہر رکن میں بیٹھے ہی نظر آتے ہیں اب میں سمجھا کہ آپ نے امام مقیم کے ساتھ بھی قصر کیا ہے۔ نماز سے فارغ ہو کر میں نے ان سے کہا کہ آپ نے پوری نماز کیوں نہیں پڑھی تو آپ فرماتے ہیں کہ میں مسافر تھا آج کل کے ایسے محققین ہیں جنہیں اتنی بھی خبر نہیں کہ اگر امام مقیم ہو تو مقتدی مسافر کو بھی امام کے ساتھ چار ہی رکعت پڑھنی چاہیں۔

اسی طرح ایک اور واقعہ ہے ایک بڑے لیڈر کا۔ مگر آج کل کے لیڈر کیا ہیں، گیدڑ ہیں وہ سفر میں تھے پانی ملا نہیں تیمّم کا ارادہ کیا مگر کبھی تیمّم کرتے ہوئے

(۱) مار کھا بھی رہے تھے اور مار بھی رہے تھے۔

کسی کو دیکھا نہیں تھا اجتہاد شروع کیا تقدم تو اس جماعت کے لوازم (۱) سے ہے ہر بات میں سب سے پہلے ٹانگ اڑاتے ہیں آپ نے کیا کیا کہ مٹی لے کر پہلے ہاتھ کو ملی پھر چلو میں مٹی لے کر منہ میں دی غرض وضو کی طرح تیمّم کیا وہ بھی زندہ ہیں (سلمہ اللہ تعالیٰ) اور مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ ان کا اقتداء کرنے کو تیار ہیں۔

افسوس ان لوگوں کو دین کی تو خبر نہیں اور پھر لیڈران قوم بنے ہوئے ہیں ایسوں ہی پر یہ شعر صادق آتا ہے۔

اذا کان الغراب دلیل قوم سیھدیھم طریق الھالکین

''جب کسی قوم کا ہادی وراہنما کوا۔ ہو وہ ان کو ہلاکت کے راستہ کی طرف لے جائیگا''

اور دین سے واقفیت کا ذریعہ صرف یہی تھا کہ علماء سے سبق حاصل کیا جائے مگر اس سے ان کو عار ہے۔

تعلق باللہ

میں عرض کر رہا تھا کہ جب کوئی قانون نافذ ہوتا ہے تو تین حالتیں ہوتی ہیں جیسا اوپر بیان ہوا تینوں میں سلامتی کی بات یہی ہے کہ اس کو تسلیم کرلو۔ خاص کر جب کہ حاکم سے دوسرا تعلق بھی ہو اور ہمیں اتنا بڑا تعلق ہے خدا تعالیٰ کے ساتھ کہ اگر وہ منکشف ہوجائے تو خدا کی قسم کھاتا ہوں اور پھر قسم کھاتا ہوں اور پھر قسم کھاتا ہوں کہ ہم احکام الٰہیہ سے ایسے منصبغ (۲) اور رنگین ہوجاویں کہ دوسرا رنگ ہی نہ رہے۔

وہ تعلق کون سا ہے وہ تعلق محبت اور محبوبیت کا ہے کیا خدا تعالیٰ کے ساتھ آپ کی محبت کرنا لازم نہیں؟ کوئی مسلمان ہے جو یہ کہہ سکتا ہو کہ ہاں لازم نہیں ہے اگر کسی کو ایسی ہمت ہو تو میں کہتا ہوں کہ اس کو دنیا میں کسی سے بھی محبت ہے یا نہیں

(۱) ہر کام میں پہل کرنا تو ان لوگوں کی خاصیت ہے (۲) ہم شرعی رنگ میں ایسے رنگے جائیں کہ دوسرا کوئی رنگ باقی نہ رہے۔

بی بی سے، بچوں سے، مکان سے، معشوق سے، عورت سے، لڑکے سے، یقیناً کسی ایک چیز سے تو محبت ضرور ہوگی۔

اب یہ سوچو کہ بناء کیا ہے اس محبت (۱) کی سو بناء محبت کی کبھی فضل و کمال ہوتا ہے جیسے امام ابوحنیفہ m میں فضل و کمال کی شان ہے کہ وہ ان سے محبت کا باعث ہوا ہے اسی طرح حضرات شیخین (۲) سے محبت ہے یا اہل بیت (۳) سے محبت ہے تو ان کے ساتھ بھی فضل و کمال کی وجہ سے محبت ہے کبھی محبت ہوتی ہے عطاونوال (۴) کی وجہ سے جیسے محسن سے محبت ہوتی ہے کبھی حسن و جمال کی وجہ سے محبت ہوتی ہے جیسے کسی لڑکے یا عورت سے محبت ہو اور ایسی محبت ہوتی ہے کہ عشق کے مرتبہ کو پہنچ جائے بس یہ اسباب ہیں محبت کے۔

اسباب محبت

ایک فضل و کمال..... ایک عطاونوال..... ایک حسن جمال

اب اگر کہیں یہ تینوں اسباب جمع ہوں تو پھر محبت نہ ہونے کے کیا معنی؟ اب بتلایئے اللہ تعالیٰ میں کس چیز کی کسر ہے (۵)۔ کیا ان میں فضل و کمال نہیں یا عطاونوال نہیں یا حسن و جمال نہیں۔ ان میں تو سب چیزیں موجود ہیں۔ عطا کی تو یہ کیفیت ہے کہ آپ کو دل دیا، عقل دی، زبان دی، آنکھ ناک دی۔ اگر خدا تعالیٰ قلب نہ دیں زبان نہ دیں تو کوئی آپ کو یہ چیزیں کیونکر دے سکتا ہے۔ معطی حقیقت میں وہی ہیں اگر کسی میں فضل و کمال علم کا ہے تو وہ بھی انہی کا دیا ہوا ہے انہی کا دیا ہوا حسن و جمال بھی ہے جب ان کے بنائے ہوئے ایسے ہیں تو وہ خود کیسے ہوں گے ان کی تو یہ شان ہے۔

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردہ پس بہ چشم عاشقاں خودرا تماشا کردہ

(۱) اس محبت کی بنیاد کیا ہے (۲) حضرت ابوبکر و عمر h (۳) حضور ﷺ کے اہل خانہ (۴) داد و دہش (۵) کی۔

''اپنے حسن کو حسینوں کے چہرہ سے ظاہر کرتا ہے عاشقوں کی آنکھ میں اپنے آپ کو تماشا بنایا ہے''

واقع میں ہماری ایسی مثال ہے جیسے آفتاب نکلا اور دیوار پر دھوپ پڑی مگر ایک احمق کو آفتاب کی خبر نہیں اس کی نظر دیوار پر ہی ہے اور اس کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا ہے شیخی بگھار رہا ہے کہ میرے گھر کی دیوار کیسی چمک رہی ہے مگر شام ہونا تھی کہ دھوپ سمٹنا شروع ہوتی ہے اور آفتاب اپنے ساتھ اس کو لے جاتا ہے تو دیوار تاریک کی تاریک رہ جاتی ہے نور صفت اصلی آفتاب کی ہے دیوار کی نہیں اگر وہ حسن و جمال دیوار کی اصلی صفت ہوتی تو اس سے زائل کیوں ہوتی ایسی ہی چیزوں کے بارے میں کہ جن کا حسن و جمال ان کی اصلی صفت نہیں مولانا فرماتے ہیں:

عشق بامردہ نباشد پائیدار عشق را با حی وبا قیوم دار
عاشقی بامرد گاں پائندہ نیست زانکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست
عشق ہائے کز پئے رنگے بود عشق نبود عابقت ننگے بود

مردہ کے ساتھ عشق کی پائیداری نہیں ہے اس لئے اس حی وقیوم کا عشق اختیار کرو۔ مرنے والوں سے عشق دائمی نہیں ہے۔ جو مرنے والا ہے وہ ہمارے سامنے آئندہ نہیں ہے۔ جو عشق محض رنگ و روپ پر ہوتا ہے اس کا انجام حسرت و ندامت ہے وہ دراصل عشق ہی نہیں۔

آگے فرماتے ہیں:

غرق عشقے شو کہ غرق ست اندریں عشق ہائے اولین وآخرین

عشق حقیقی میں غرق ہو جاؤ اس میں غرق ہونا اولین وآخرین کا عشق ہے۔

عشق اللہ ہی سے ہونا چاہئے

پس عشق حق تعالیٰ ہی کا حق ہے ان سے ہی عشق کرنا چاہئے مگر اس میں

بعض اوقات یہ شبہ ہوجاتا ہے کہ محبّ ومحبوب میں مناسبت ہونی چاہئے اور ہم میں اورحق تعالیٰ میں مناسبت ہی کیا پھر وہاں تک ہماری رسائی کیونکر ہوگی مولانا آگے اسی شبہ کو رفع فرماتے ہیں۔

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست برکریماں کارہا دشوار نیست

تو یہ خیال نہ کر ہماری پہنچ اس دربار تک کہاں ہے کیونکہ کریموں کو کوئی کام مشکل نہیں ہوتا۔

یعنی یہ مت سمجھ کہ اس شاہنشاہ کی بارگاہ میں تو کیونکر دخل ہوگا اس لئے کہ برکریماں کارہا دشوار نیست۔

یعنی کریموں پر یہ کام دشوار نہیں جواب کا حاصل یہ ہوا کہ رسائی کی دوصورتیں ہیں ایک یہ کہ تم خود وہاں پہنچو اور ایک یہ کہ وہ تم کو پہنچادیں۔ سو کہتے ہیں کہ گو تم خود وہاں تک نہیں پہنچ سکتے مگر انہیں تو پہنچانا مشکل نہیں ہے۔ جب یہ ہے تو پھر مایوسی کیسی؟

تقرب الی اللہ

چنانچہ حدیث شریف میں ہے (من تقرب الی شبراً تقربت الیه ذراعاً ومن تقرب الی ذراعاً تقربت الیه باعاً الخ)(۱) کہ جو میری طرف ایک بالشت آتا ہے میں اس کی طرف ایک ذراع (۲) جاتا ہوں اور جو میری طرف ایک ذراع آتا ہے میں اس کی طرف ایک باع (۳) آتا ہوں اور جو میری طرف آہستہ چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ اگر یہ نہ ہو تو یہ راستہ تو غیر متناہی ہے کہ کسی کے قطع کرنے سے قطع ہی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

(۱) مسند الامام احمد: ۲/۴۱۳، ۳: ۴۰، الترغیب والترہیب: ۴/۱۰۴، کنزالعمال: ۱۱۷۹ (۲) جو شخص میری طرف ایک بالش آتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں (۳) جو شخص میری طرف ہاتھ بڑھتا ہے میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں۔

نگردد قطع ہرگز جادہ عشق از دوید نہا
کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از برید نہا

محض دوڑنے سے طریق عشق ہرگز طے نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وہ مثل انگور کی بیل کے ہے کہ کاٹنے سے خود بخود بڑھتا رہتا ہے۔

یہ ہمارے چلنے سے قطع نہیں ہوتا بلکہ ادھر ہی سے عنایت ہوتی ہے تو قطع ہوتا ہے اسی کی نسبت حدیث میں بشارت ہے من تقرب الی شبرا الخ کہ جو ایک ذراع ہماری طرف آتا ہے ہم اس کی طرف ایک باع جاتے ہیں خیال تو فرمایئے کیسی عنایت ہے کیسا کرم ہے؟ مگر طلب شرط ہے جس کی خاصیت مولانا فرماتے ہیں:

آب کم جو تشنگی آور بدست تابجو شد آبتاز بالا وپست

مطلب یہ کہ بدوں پیاس پانی نہیں ملتا پیاسے بنو تو پانی تم تک خود ہی آجائے گا راز اس کا کیا ہے راز یہ ہے۔

تشنگاں گر آب جویند از جہاں آب ہم جوید بہ عالم تشنگاں

''یعنی پیاسا ڈھونڈتا ہے پانی کو اسی طرح پانی بھی ڈھونڈتا ہے پیاسے کو''

یعنی حق تعالیٰ خود تم کو اپنی طرف بلاتے ہیں اور بلانے کے ساتھ پہنچاتے بھی ہیں کوئی محبوب ایسا ہے کہ محبّ کو خود بلائے اور خود پہنچائے غور تو کیجئے کہ عاشق کو محبوب خود بلا رہے ہیں یہ عنایت نہیں تو اور کیا ہے ایسی عنایت پر شبہ ہی نہیں ہوسکتا کہ ہماری رسائی خدا تک کیسے ہوگی۔

خدا تک رسائی

ایک بزرگ تھے ان کو بادشاہ نے کچھ دریافت کرنے کی غرض سے بلانا چاہا۔ بادشاہ محل کے اوپر تھے اور یہ نیچے سے گزر رہے تھے بادشاہ نے اوپر سے کمند پھینک دی اس کے ذریعہ سے محل پر پہنچ گئے بادشاہ نے پوچھا کہ بندہ کی رسائی خدا

تک کیسے ہوسکتی ہے کہاں خدا کہاں بندہ انہوں نے برجستہ فرمایا کہ ایسے ہوسکتی ہے جیسے میری رسائی آپ تک ہوگئی۔ اگر میں دروازہ سے آتا تو کتنے مرحلے طے کرنے پڑتے کہیں دربانوں سے واسطہ پڑتا کہیں مصاحبین سے کہنا ہوتا کتنے درجے طے کرنے پڑتے۔ اس کے بعد کہیں آپ تک رسائی ہوتی اور شاید نہ بھی ہوتی اگر دربان روک دیتا غرض ایک صورت تو آپ تک پہنچنے کی یہ تھی کہ میں آپ کو تلاش کرتا اور سو دقتیں اٹھا کر کہیں آپ تک پہنچتا اور ایک صورت یہ ہے کہ خود آپ نے مجھے کھینچ لیا پس جیسا اس وقت آپ نے کیا اسی طرح خدا تک رسائی ہوسکتی ہے۔

رسائی کی شرط

مگر طلب شرط ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کھینچتے اسی کو ہیں جو کھینچنا چاہے اور جو اعراض کرتا ہے اس سے وہ بھی اعراض کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴾(۱) یعنی تم کراہت کرو تو ہمیں کیا غرض پڑی ہے جو خواہ مخواہ اپنی رحمت کو تم پر لادیں۔

لیکن اگر کوئی طلب کرے تو اس کی طرف نہایت توجہ اور رحمت فرماتے ہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے بچہ ماں کی آغوش میں دوڑ کر آنا چاہتا ہے مگر گھٹنوں سے چلا نہیں جاتا وہ ہمت کر کے کھڑا ہوا اور گر پڑا اس کا گرنا تھا کہ ماں نے دوڑ کر خود اٹھالیا بس اس کا کام تو اتنا ہی ہے کہ اپنی ہمت کے موافق چلے اور گر پڑے۔ جب وہ اپنا کام کر چکتا ہے تو فوراً ہی آغوش میں اٹھالیا جاتا ہے اگر بچہ ایسا نہ کرے تو اس کی طرف ماں کو ایسا تقاضا نہیں ہوتا اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید خیرہ یوسف دار می باید دوید
تانہ گرید طفل کے جوشد لبن تانگرید ابر کے خندد چمن

(۱) سورۂ ھود: ۲۸۔

''اگرچہ قیود نفسانیہ سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہے پھر بھی حضرت یوسف d کی طرح مقدور بھر کوشش کرنی چاہئے جب تک بچہ روتا نہیں ماں کی چھاتیوں میں دودھ جوش نہیں مارتا جب تک ابر نہ (۱) برسے چمن سرسبز نہیں ہوتا''

حضرت یوسف d کو جب زلیخا مکان میں لے گئیں تو سات قفل سات دروازوں میں ڈال دیئے تھے تاکہ نکلنے نہ پائیں جب انہوں نے یہ کیفیت دیکھی تو سوچا کہ اپنا کام مجھے کرنا چاہئے پھر حق تعالیٰ اپنا کام کریں گے۔ دروازہ کھلنا نہ کھلنا میرا کام نہیں بس خدا پر توکل کر کے دروازہ کی طرف بھاگے۔ دروازہ کے پاس پہنچنے نہ پائے تھے کہ سب دروازے کھلتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ساتوں دروازوں سے باہر نکل گئے انہوں نے خیال کیا کہ گو بھاگنے کا راستہ تو نہیں ہے لیکن بھاگنا تو میرے قبضہ میں ہے چنانچہ اس قصد سے بھاگے اور اس کا اثر یہ ہوا کہ باہر نکل گئے اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید خیرہ یوسف دار می باید دوید

''اگرچہ قیود نفسانیہ سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہے پھر بھی حضرت یوسف d کی طرح مقدور بھر کوشش کرنی چاہئے''

غرض یہ تو مسلم ہے کہ انسان کی کوشش سے کچھ نہیں ہوتا۔ ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے مگر پھر بھی کوشش شرط ہے جیسے وضو نماز کے لئے شرط ہے گو تنہا وضو سے کچھ نہیں ہوتا جب تک نماز نہ پڑھے لیکن بدوں وضو کے نماز بھی نہیں ہوتی ایسے ہی خدا تعالیٰ محض اس کی کوشش سے نہیں ملتے وہ اپنی مرضی سے ملتے ہیں۔ مگر کوشش شرط ہے۔

ان ہی دو مثالوں کو بیان کر کے میں کہتا ہوں کہ قرآن میں اسی لئے ارشاد

(۱) جب تک بادل سے بارش نہ برسے۔

فرمایا ہے: ﴿جَزَآءً م بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''کہ عمل کرنے والے اپنے عمل کا بدلہ دیئے جائیں گے''

عمل کی اہمیت

اس سے معلوم ہوا کہ عمل ضروری ہے اور جو حدیث میں ہے کہ بدوں رحمت کے کوئی جنت میں نہ جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عمل علت تامہ نہیں ہے مگر شرط ہے اس کے بعد میں قرآن شریف ہی سے یہ مسئلہ ثابت کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ تک رسائی ممکن ہے چنانچہ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ''کہ اللہ کی رحمت محسنین سے قریب ہے''

پس اتنی طلب تو چاہیے کہ عمل میں مشغول ہوجائے اور خلوص کے ساتھ مشغول ہوجاوے۔ جس سے محسنین کا مصداق ہوجائے اس کے بعد یہ مشاہدہ ہوجائے گا'

باکریماں کار ہا دشوار نیست

''کریموں کو کوئی کام مشکل نہیں ہوتا''

تمہارے عمل کرنے پر خدا تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوگی۔ بس کامیاب ہوجاؤ گے۔ اب تو معلوم ہوگیا کہ خدا تعالیٰ تک رسائی ممکن ہے جب رسائی ممکن ہے تو پھر خدا تعالیٰ سے کیوں نہ محبت کی جائے بلکہ ان سے محبت کرنا واجب اور فرض ہے اور میں نے یہ بھی ثابت کردیا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی محبوب ہے ہی نہیں تعجب ہے کہ عشق مجازی کو دین و ایمان سمجھا جائے اور خدا تعالیٰ کے عشق کی طرف ذرا دیکھا بھی نہ ہو۔

عاشق کا حال

بات یہ ہے کہ ہم لوگوں کو خدا سے پوری محبت ہی نہیں اس لئے اس کے احکام کے تسلیم کرنے میں تامل ہوتا ہے (۱) جو خدا کا عاشق ہوگا وہ تو ہر حکم کو سر اور آنکھوں پر رکھے گا اور جو حالت بھی اس کو خدا کی طرف سے پیش آئے گی اس میں خوش ہوگا۔ اس کی تو یہ کیفیت ہوگی۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو دلشدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

زندہ کریں آپ کی عطا ہے اور اگر قتل کریں آپ پر قربان ہوں دل آپ پر فریفتہ ہے جو کچھ کریں آپ پر راضی ہوں''۔ اور اس کا یہ مذہب ہوگا۔

ناخوش تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجان من

''محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو وہ طبیعت کو ناخوش ہی کیوں نہ ہو مگر وہ میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اس پر اپنے دل کو قربان کرتا ہوں''

بلکہ یہ حالت ہوگی۔

بجرم عشق توام می کشند وغو غائیست تو نیز برسر بام آنکہ خوش تما شائیست

''تیرے عشق کے جرم میں مجھے کھینچ لے جاتے ہیں اور بھیڑ لگی ہوئی ہے تو بھی تو کوٹھے پر آ کر دیکھ کہ کتنا اچھا تماشا ہو رہا ہے''۔

یہ ہوتا ہے اثر تعلق عشق کا مگر افسوس ہے ہمارے حال پر کہ محبت کا تو دعویٰ اور اتنا بھی تعلق نہیں کہ اگر احکام سخت نازل ہوں تو ان کو دل سے مان لیا جائے معلوم ہوا کہ برائے نام ہی محبت ہے پھر اگر ہم یہ دیکھتے کہ آپ سخت احکام کے نہ

(۱) تردد۔

ماننے میں ایسا پختہ ہیں کہ دنیا میں کسی کے ہی سخت احکام نہیں مانتے تو ہم بھی سمجھتے کہ یہ لوگ اصول کے بڑے پابند ہیں۔ اس لئے ان پر الزام نہیں مگر ہم تو دیکھتے ہیں کہ مخلوق کے تعلق ہی میں یہ لوگ ان اصول کو توڑ دیتے ہیں۔

حکام کے ساتھ ہمارا برتاؤ

چنانچہ طبیب کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبض دیکھ کر نسخہ لکھ دیجئے اس نے ایسا کڑوا نسخہ لکھا کہ جس کا منہ تک جانا بھی دشوار ہے تو اس سے یہ نہیں کہتے کہ ایسا کڑوا نسخہ کیوں لکھا۔ علی ہذا کتنا ہی قیمتی لکھا ہو، یہ کبھی نہیں کہتے کہ اتنا قیمتی کس واسطے لکھا ہے بلکہ بعض اوقات اس سے فرمائش ہوتی ہے کہ اچھا نسخہ لکھئے گا۔ قیمت کا کچھ خیال نہ کیجئے۔ اور باوجود ان سارے قصوں کے پھر بھی تندرستی کے بعد کہتے ہیں کہ آپ کا بڑا احسان ہوا جس کا ہم شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور کڑوے نسخہ کو غٹ غٹ پی جاتے ہیں۔ سب طرح کی مشقت گوارا کرتے ہیں اگر حکیم کہے کہ عصر کے وقت کھچڑی کھانا تو اسی کو خوشی کے ساتھ کھاتے ہیں غرض وہ جو بھی بتلائے خواہ نفس پر کیسا ہی گراں ہو، سب قبول کرتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اس وقت آپ کے یہ اصول کہ سخت احکام کو نہ مانا جائے وغیرہ وغیرہ کہاں گئے۔ طبیب کے ساتھ یہ معاملہ نہ کیا، جو خدا کے ساتھ کرتے ہو۔ معلوم ہوا کہ صرف بہانہ ہے نفس کا اور کچھ نہیں بس آپ کا مذہب یہ ہے کہ جس طرح دنیا کا کام بنا اسی طرح کرلیا اصول کے اختیار کرنے سے کام چلا۔ یوں کرلیا جو اصول کے چھوڑنے سے کام چلا۔ تو ایسے کرلیا یہ نہیں سوچتے کہ اس بے ڈھنگے پن کا انجام کیا ہوگا۔

بہرحال اول تو احکام شرعیہ سخت نہیں اور اگر سخت ہوئے بھی تو ان کو برداشت کیجئے آپ کا فرض ہے کہ ان کو بجالائیں۔ جیسے دنیا کے احکام اور آقاؤں

کے سخت احکام برداشت کیئے جاتے ہیں اسی طرح احکام خداوندی کے ساتھ معاملہ کیجئے پس اگر شریعت میں حقوق مالیہ سخت بھی ہوں تب بھی ان پر عمل کرنا چاہئے مگر اس کی طرف کسی کو التفات ہی نہیں نماز روزہ کے مسائل تو کبھی پوچھ بھی لیتے ہیں حقوق مالیہ کو کوئی پوچھتا ہی نہیں کہ کیا جائز ہے اور کیا ناجائز۔ اس سے پہلے بیان میں ان حقوق مالیہ کا بیان بقدر ضرورت ہوا تھا۔ دیکھئے اس پر عمل ہوتا ہے یا نہیں۔

اثر و جاہت

اب اسی کے ساتھ اس کا ایک قرین ہے(۱) جس کا نام جاہ ہے یا اثر وجاہت اور یہ اس کا قرین اس لئے ہے کہ جیسے مال حوائج کے پورا ہونے کا ذریعہ ہے اسی طرح جاہ(۲) بھی حوائج کے پورا ہونے کا ذریعہ ہے اور اصل غرض حوائج کا پورا ہونا ہے۔ اور چونکہ یہ دونوں چیزیں اس کا ذریعہ ہیں اس لئے لوگ رات دن انہی کی طلب میں سرگرم رہتے ہیں۔ غرض یہ کہ حوائج کے پورا ہونے میں مال و جاہ دونوں کو دخل ہے بعض کام مال سے چلتے ہیں اور بعض جاہ سے اور بعض اعتبار سے۔ بلکہ غور کیا جائے تو جاہ اثر میں مال سے بھی بڑھی ہوئی ہے کیونکہ بعض اوقات جاہ سے بلا مال کے ہی کام چل جاتا ہے بعض کام جاہ کی وجہ سے ایسے ہو جاتے ہیں جو مال سے ہو ہی نہیں سکتے۔ بعض لوگوں کی مالی حیثیت زیادہ نہیں ہوتی مگر ان کی جاہ زیادہ ہوتی ہے۔

قصبات میں بعض رئیس ہوتے ہیں کہ ان کا قصبہ میں اثر ہوتا ہے کہ چارپائی پر بیٹھے ہیں، حقہ سامنے رکھا ہے، تکیہ لگائے ہوئے ہیں۔ کسی شخص کو دور سے بلانا ہے مزدور بھیجنے میں پیسہ خرچ ہوتا ہے بس کوئی ان کے سامنے سر گھڑی

(۱) ساتھی (۲) اقتدار بھی۔

لئے ہوئے نکلا اس کو کہا گٹھڑی کو تو یہاں رکھ دے اور فلانے کو بلالا۔ اگر مزدور بھیجتے تو دو آنے خرچ ہوتے بس ان کا کام مفت میں ہی چل گیا تو یہ کیا ہے جاہ کا اثر ہے کہ اس سے بدوں پیسہ خرچ کئے ہوئے کام چل رہا ہے۔

اسی طرح بعض لوگ مثلاً اہل کمال ہوتے ہیں لوگ ان کی خدمت کرتے ہیں ان کو عیش و آرام ہوتا ہے۔ لوگوں کو ان پر حسد بھی ہوتا ہے حالانکہ ان کے پاس مال کچھ بھی نہیں ہوتا تو یہ کیا ہے جاہ ہی کا تو اثر ہے ان حضرات کی جاہ(۱) پہلے عنداللہ ہوتی ہے اور پھر عندالخلق ہوتی ہے۔

مجھ کو اس وقت اس سے بحث نہیں کہ جاہ کیسی چیز ہے اور اس کا کیا حکم ہے بلکہ یہ بیان کرنا ہے کہ جاہ بھی ایک ذریعہ ہے حوائج کے پورا ہونے کا۔ جیسے مال ایک ذریعہ ہے۔ اور حوائج دو قسم کے ہیں جلب منفعت و دفع مضرت (۲) اور مال کے یہ دونوں اثر ہیں اسی طرح جاہ کے بھی یہ دونوں اثر ہیں گو غالب اور زیادہ مال میں جلب منفعت ہے اور جاہ میں دفع مضرت (۳) مگر ایک امر مشترک (۴) تو دونوں میں ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ مال و جاہ دونوں میں تقارن ہے(۵)۔

چونکہ پہلے مال کے متعلق بیان ہو چکا ہے تو جی یوں چاہا کہ اس کی قرین(۶) کا ذکر بھی ہوجائے تا کہ اس مضمون کی تکمیل ہوجائے اس جلسہ میں بعض لوگ تو وہ ہیں جو پہلے بیان کو سن چکے ہیں۔ اس لئے ان کے تو اذہان (۷) میں دونوں مضمونوں کا اقتران (۸) اسی وقت ہوجائے گا اور جو لوگ ایسے نہیں تب بھی چونکہ مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں دونوں اشاعت کے بعد دیکھتے وقت ان کا اقتران

(۱) قدر و منزلت (۲) نفع کا حصول اور نقصان سے بچنا (۳) مال سے نفع ملتا ہے اور اقتدار سے نقصان سے بچتا ہے (۴) دونوں میں ایک بات مشترک ہے (۵) دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں (۶) اس کے ساتھی (۷) ذہنوں (۸) دونوں مضمون مل کر سمجھ میں آجائیں گے۔

ہوجائے گا اور چونکہ یہ حدیث (جو شرع وعظ میں پڑھی گئی ہے) اس کے لئے کافی تھی اس لئے اس حدیث کو اس وقت اختیار کیا گیا۔

جاہ کے معنی اور حکم

سو سنئے! جاہ کے معنی ہیں قدر و منزلت (کمافی القاموس) جس کا حاصل اور لازم ہے اثر چونکہ صاحب جاہ کا قلوب میں اثر ہوتا ہے اسی لئے صوفیہ نے اس کی حقیقت ملک القلوب بتائی ہے(۱) چونکہ اثر کا لفظ مشہور ہے اس لئے جاہ کو لفظ اثر سے تعبیر کرنا سمجھنے کے لئے زیادہ سہل(۲) اور مناسب ہوگا۔ پس میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں اسی اثر مذکور کے متعلق بحث ہے تو اب سمجھ لیجئے کہ مال کے جیسے دو حق ہیں ایک مال کا حاصل کرنا ایک مال کا صرف کرنا اور شریعت میں دونوں کے جدا جدا احکام ہیں بعض احکام تحصیل مال کے متعلق ہیں اور بعض استعمال مال کے متعلق ہیں اسی طرح اس اثر کے متعلق دو چیزیں ہیں ایک تو یہ کہ اثر کے حاصل کرنا کا کیا حکم ہے ایک یہ کہ اس کے استعمال کا کیا حکم ہے مگر باوجود اس کے کہ اس کے متعلق بھی احکام ہیں پھر بھی آج کل اکثر دیکھا جاتا ہے کہ لوگوں میں اس جاہ کے احکام سے زیادہ غفلت ہے بلکہ عجب نہیں کہ بعض لوگ جو شریعت کو صرف نماز روزہ ہی میں منحصر سمجھ رہے ہیں دل میں یوں کہتے ہوں گے کہ کیا شریعت میں اس کے بھی کچھ احکام ہیں۔

ہمارا حال

صاحبو! مصیبت یہ ہے کہ ہمارے گھر میں سب کچھ ہے مگر ہمیں خبر نہیں اس لئے کثرت سے لوگوں کو اس کی خبر نہیں۔ اسی باب میں ہماری وہ مثال ہے جیسے

(۱) دونوں کی ملکیت اسکی حقیقت ہے (۲) آسان۔

مولانا فرماتے ہیں۔

یک سبد پرناں ترا بر فرق سر تو ہمی جوئی لب ناں دربدر

ایک شخص روٹیوں کا ٹوکرا سر پر رکھے ہوئے ہے اور در بدر یوں کہتا پھرتا ہے کہ خدا کے واسطے ایک ٹکڑا دے دو۔ میں بھوکا ہوں حالانکہ ٹوکرے میں اتنی روٹیاں ہیں کہ اگر یہ شخص سارے محلّہ میں تقسیم کردے جب بھی کمی نہ پڑے مگر اس کو خبر نہیں۔

بس ایسی ہماری حالت ہے کہ ہمارے قانون شرع میں سب ہی کچھ موجود ہے یعنی ضروریات دین مگر ہمیں خبر نہیں۔ اور یہ قید ضروریات کی اس لئے لگائی کہ شاید سب ہی کچھ کا لفظ سن کر کسی کو یہ خیال ہو کہ پھر شریعت کے علم سے ہم کو ریل چلانا بھی آجائے گا اس میں اس کی ترکیب بھی لکھی ہوگی کہ اس طرح اوزار ڈھالو اور ایسے انجن بناؤ، گاڑیاں تیار کرو، اس قید سے یہ چیزیں خارج ہوگئی۔ (مطلب یہ کہ دین کے متعلق جتنی باتیں ہیں وہ شریعت میں سب موجود ہیں) باقی یہ گمان جو بعض لوگوں کا ہے کہ شریعت میں تجارت کے طریقے بتلائے گئے ہیں کہ اس طرح کماؤ کارخانے جاری کرو محض غلط ہے۔

چنانچہ اس مذاق کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن شریف نے دنیا کمانے کے متعلق سب کچھ سکھایا ہے ان میں ایک قوم وہ بھی ہے جس کو قرآن شریف میں صرف یہی حکم پسند آیا ہے۔ احل اللّٰہ البیع کہ اللہ نے بیع یعنی تجارت کو حلال کیا ہے جس میں سب ذرائع تجارت کے آگئے۔ بھلے مانسوں نے یہ نہ دیکھا کہ جیسے احل اللّٰہ البیع فرمایا اسی طرح وحرم الربوا بھی تو قرآن ہی میں موجود ہے اور اسی جگہ موجود ہے۔

ان کی ایسی مثال ہے جیسے ایک حریص سے کسی نے پوچھا تھا کہ بھائی

تمہیں قرآن شریف میں کون سا حکم پسند ہے تو اس نے کہا کہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا کو کھاؤ پیو پھر پوچھا کہ دعا کون سی پسند ہے تو کہا رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ کہ اے ہمارے رب ہمارے اوپر آسمان سے خوان نازل فرما۔

تو جیسے اس حریص کو تمام احکام میں سے کھانے اور پینے ہی کا حکم پسند آیا تھا اور تمام دعاؤں میں سے کھانے پینے ہی کی دعا پسند آئی تھی اسی طرح وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ ہی پسند آیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس میں ترقی کی اجازت دی ہے۔ یہ حاشیہ چڑھایا ہے قرآن شریف پر اور ترقی کے معنی بھی وہ لئے جو انہوں نے خود ہی سمجھے ہیں۔

ترقی کی حقیقت

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ شریعت نے ترقی کی اجازت دی ہے مگر سوال یہ ہے کہ ترقی کے معنی کیا ہیں آیا وہ جو انہوں نے سمجھے ہیں یا کچھ اور۔ اگر ترقی کے صحیح معنی بیان کئے جائیں گے تو ہم تسلیم کریں گے کہ شریعت نے اس کی اجازت دی ہے لیکن کسی چیز کا نام ترقی رکھ لینے سے اس کی حقیقت تھوڑا ہی پائی جائے گی۔ کوئی شراب کا نام شراب الصالحین رکھ لے تو اس سے وہ حلال تھوڑا ہی ہو جائے گی۔ آج کل جس چیز کا نام ترقی رکھا گیا ہے اس کی حقیقت ہے حرص طول امل (۱) خود غرضی اور قطع نظر شریعت سے یہ چیزیں تو عقلاً بھی ناجائز ہیں۔ مگر لوگوں نے حرص وغیرہ کا ایک خوبصورت نام ترقی رکھ لیا مگر صرف نام رکھ لینے سے کیا ہوتا ہے اس سے حقیت تو نہ بدلے گی۔

میں اس کو مفصل بیان کرتا مگر یہ جلسہ اس کے لئے کافی نہیں اس کے لئے خاص طور پر مستقل جلسہ کی ضرورت ہے لیکن میں اجمالاً ایک مختصر بات کہتا ہوں وہ

(۱) لمبی لمبی امید قائم کرنا۔

یہ کہ عقلاء اول اس کا فیصلہ کرلیں کہ ترقی کی حقیقت کیا ہے پس خوب سمجھ لو کہ ترقی کی حقیت وہی ہے جس کی قرآن شریف اجازت دیتا ہے یعنی حلال طریقہ سے بڑھنا کیونکہ دو حال سے خالی نہیں کہ جائز ترقی محدود ہے یا غیر محدود ہے اگر محدود ہے تو اس کے حدود بیان کیجئے اور ان شاء اللہ شریعت سے بہتر اس کی حدود کوئی بھی نہ بیان کرسکے گا۔ اور اگر غیر محدود ہے یعنی اس میں کوئی قید نہیں ہے اگر اس میں مضرّتیں بھی ہوں تو اس کی بھی اجازت دی جاوے۔ تو کیا خدا تعالیٰ سے جو کہ بوجہ علیم وخبیر ورحیم وحکیم ہونے کے سب سے زیادہ نصائح عباد کی (۱) رعایت فرماتے ہیں اس ترقی غیر محدود کی اباحت کی توقع رکھ سکتے ہو حالانکہ گورنمنٹ سے بھی جس کی نظر نصائح کو اس قدر محیط نہیں تم اس کی توقع نہیں کرسکتے۔ دنیا کی ہر گورنمنٹ صرف محدود ترقی کی جازت دیتی ہے اور آپ کو مقید بناتی ہے ترقی غیر محدود کی کوئی گورنمنٹ اجازت نہیں دے سکتی تو خدا تعالیٰ کو یہ حق نہیں کہ وہ آپ کو مقید کریں اور اگر کوئی عدم احاطہ واقعات کے سبب یہ کہے کہ گورنمنٹ تو غیر محدود ترقی کی اجازت دیتی ہے چنانچہ بہت سے ذرائع غیر مشروع (۲) کی قانون میں اجازت ہے تو چاہے آج سے ڈکیتی کیجئے دوسروں کے مال چھین چھین کر خوب اپنا مال بڑھایئے اس کے بعد اگر آپ عدالت میں پکڑے ہوئے جاویں تو صاف کہہ دیں کہ ہم تو ترقی کرتے ہیں میں پوچھتا ہوں کیا عدالت اس کو قبول کرلے گی اگر نہیں قبول کرے گی تو پھر ثابت ہوگیا کہ گورنمنٹ نے ترقی کی یہ حد قائم کی ہے کہ ڈکیتی نہ ہو چوری نہ ہو غصب نہ ہو۔

پس جب گورنمنٹ ترقی کے لئے حدود قائم کرسکتی ہے تو کیا خدا تعالیٰ

(۱) بندوں کے حال کی رعایت فرماتے ہیں (۲) بہت سے کام جن کی شریعت اجازت نہیں دیتی حکوم اجازت دیتی ہے۔

حدود قائم نہیں کر سکتے۔ افسوس ہے کہ گورنمنٹ سے تو غیر محدود ترقی کی امید نہ رکھیں اور حق تعالیٰ کی طرف سے یہ امید ہو کر ترقی غیر محدود کی اجازت دیں اور اگر ترقی غیر محدود مطلوب ہے تو اجازت دیجئے کہ میں آپ کا کرتہ اتار لوں اور آپ کا مکان اور جائیداد چھین لوں کیونکہ آپ کے نزدیک ترقی کے لئے کوئی حد تو ہے ہی نہیں اگر آپ کو یہ گوارا ہو تو میں ادب سے عرض کروں گا کہ آپ میرے خطاب کے قابل نہیں ایسا شخص تو مجنون ہے جس کو ڈاکٹر سے جنون کا سرٹیفکیٹ لینا چاہئے۔ غرض یہ کہ ترقی اور تمدن کی حقیقت اتنی ہی ہے جتنی شریعت نے اجازت دی ہے اور اس میں شریعت نے تنگی نہیں کی شریعت نے اجازت دی ہے ترقی کی مگر اس کے حدود ہیں۔ میں اس کو عرض کر رہا تھا کہ شریعت میں ضروریات دین سب مذکور ہیں ان ضروریات میں خصوص جاہ(۱) کے متعلق بھی ذکر تھا اس کے لئے بھی شریعت کے احکام ہیں اس پر ایک سوال کے جواب میں کیا جاہ کے متعلق بھی احکام ہیں، یہ گفتگو درمیان میں آ گئی تھی کہ ہاں احکام سب چیزوں کے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ ہمیں خبر نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن شریف کو ہم نے اس نظر سے دیکھا ہی نہیں کہ اس میں کس کس چیز کی تعلیم ہے پس اس میں سرسری نظر سے یہی دیکھ لیا کہ نماز روزہ ہے جنت و دوزخ کا بیان ہے لوگوں نے ساری شریعت کا یہی حاصل سمجھ لیا اور یہی خلاصہ نکال لیا حالانکہ قرآن میں ضروریات میں سے سب کچھ موجود ہے مگر قرآن کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند نہ ہر کہ چہرہ برا فروخت دلبری داند

''جو شخص آئینہ بنانا جانتا ہے ضروری نہیں وہ سکندری بھی جانتا ہو اور یہ بھی

(۱) قدر و منزلت۔

ضروری نہیں کہ جو شخص چہرہ کو برافروخت کرے اس میں شان دلبری بھی ہو"

بغیر استاد قرآن فہمی کا نقصان

یہ کافی نہیں کہ ترجمہ دیکھ لیا اور قرآن کو سمجھ لیا قرآن کا سمجھنا خاص درجہ کے علماء کا کام ہے وہ درجہ حاصل کرو تو معلوم ہو کہ اس میں سب کچھ ہے مگر فہم کی ضرورت ہے ورنہ بدفہم لوگوں نے محض ترجمہ دیکھ کر تو بہت سی آیتوں کا مدلول غلط سمجھ لیا ہے۔ مثلاً ایک آیت ہے۔

﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا﴾ کہ ہنسنا کم چاہیئے اور رونا بہت چاہیے اس سے ہنسنے اور رونے کا حکم ثابت کیا ہے کہ رونا افضل ہے ہنسنے سے حالانکہ اس آیت کا یہ مدلول نہیں۔ یہ آیت منافقین کے بارہ میں ہے انہی کے متعلق پہلے سے بیان چلا آرہا ہے فلیضحکوا میں ھو کی ضمیر منافقین کی طرف ہے اور یہ خبر ہے بصورت ان شاء اور حاصل ترجمہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں تھوڑے دنوں ہنستے رہیں پھر قیامت میں زیادہ روئیں گے۔ اس آیت میں منافقین کی اخروی حالت بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ دنیا میں کچھ دنوں کو ہنس لیں پھر آخرت میں رونا ہی رونا ہے۔ یہ مطلب تھا آیت کا نہ یہ کہ رونے کی فضیلت اور ہنسنے کی مذمت جیسا آج کل کے مدعی سمجھے ہیں اور قلیلاً سے دنیا کی زندگی مراد ہے اور اس کے مقابل کثیراً سے آخرت کی زندگی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آخرت میں خوب دل کھول کر روگے اور ہنسنا کبھی نصیب نہ ہوگا۔ جزاءً بما کانوا یعلمون خود اس کا قرینہ ہے غرض یہ آیت آخرت کے متعلق ہے۔ فلیضحکوا ولیبکوا امر ہے لفظاً اور خبر ہے معنی۔

مگر مصیبت تو یہ ہے کہ لوگوں نے ذراسی آیت دیکھ لی اور نتیجہ نکالنا شروع کر دیا نہ ماقبل کی خبر ہے نہ مابعد کی اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ قرآن کا سمجھنا ہر

ایک کا کام نہیں۔

اسی طرح ایک اور آیت ہے: ﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ بعض لوگوں نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ کافر مسلمانوں پر کبھی غالب نہ آئیں گے پھر اس پر بڑا اشکال کہ قرآن شریف میں تو یہ ہے اور واقعہ اس کے خلاف ہے وہ یہ کہ کفار کو بہت دفعہ دنیا میں مسلمانوں پر غلبہ ہوا ہے جس کا انکار نہیں ہوسکتا۔ مشاہدہ کا کیا انکار مگر حقیقت میں آیت کا یہ مطلب ہی نہیں جو سمجھا گیا ہے یہ آیت دنیا کے متعلق ہے ہی نہیں یہ تو آخرت کے متعلق ہے۔ کیونکہ اوپر ذکر منافقین کا ہے۔ ان کا ذکر کرکے فرماتے ہیں: ﴿فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ مطلب یہ ہے کہ آخرت میں فیصلہ کے وقت ڈگری مومنین کی ہوگی اور منافقین ہاریں گے خود ﴿فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ بتلا رہا ہے کہ یہ حکم آخرت کے متعلق ہے یعنی قیامت میں جب مقدمہ پیش ہوگا تو اس میں مسلمان مغلوب نہ ہوں گے اب کوئی اشکال نہیں۔

جاہ کی حدود

اب میں اصل مضمون کی طرف عود کرتا ہوں (۱) کہ شریعت میں جاہ کے احکام بھی ہیں اور اس میں دو درجے ہیں ایک تحصیل جاہ یعنی جاہ کا حاصل کرنا اور ایک بذل جاہ یعنی اس کا صرف کرنا۔ جیسے مال میں دو درجے تھے ایک اس کا حاصل کرنا اور ایک اس کا صرف کرنا۔ اور اس کا جامع فیصلہ یہ ہے کہ جاہ کے چند مراتب ہیں۔ ایک مرتبہ یہ ہے کہ جاہ بدوں حاصل کئے حاصل ہوگئی ہے وہ تو خالص نعمت ہے خدا تعالیٰ کی، جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی جاہ ہوتی ہے کہ وہ خود گرتے

(۱) لوٹتا ہوں۔

چلے جاتے ہیں اور پستی اختیار کرتے ہیں مگر وہ جتنے گرتے ہیں اتنے ہی بلند ہوتے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔

من تواضع اللّٰہ رفعه اللّٰہ ''کہ جو شخص اللہ کے واسطے تواضع اختیار کریگا اللہ اس کو بلند کریگا''

اس کو جو جاہ ملی ہے (۱) اس نے خود حاصل نہیں کی بلکہ اللہ کی طرف سے ملی ہے اس جاہ کے خالص نعمت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

ایک یہ صورت ہے کہ جاہ اس نے تو حاصل کی نہیں یعنی اس کے اسباب کا استعمال خود اس نے نہیں کیا مگر دوسروں نے کیا ہے اور اس سے اس کو جاہ حاصل ہوگئی، مثلاً چار آدمیوں نے مل کر اس کو بادشاہ بنادیا۔ اب یہاں جاہ تو حاصل ہوئی اسباب سے مگر اس نے وہ اسباب جمع نہیں کئے بلکہ اور لوگوں نے اسباب جمع کر کے اس کو بادشاہ بنادیا ہے۔

پہلی صورت اور اس صورت میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں تو اسباب ظاہری جمع ہی نہیں کئے گئے نہ اس کی طرف سے نہ اوروں کی طرف سے بلکہ محض وہبی طور سے جاہ مل گئی۔ اور یہاں گو اس نے اسباب کو جمع نہیں کیا مگر دوسروں نے تو جمع کیا ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ اس صورت میں صاحب جاہ انکار کرنے سے جاہ سے بچ سکتا ہے۔ بخلاف پہلی صورت کے کہ وہاں بچ نہیں سکتا کیونکہ وہ غیر اختیاری ہے اور یہاں قبول کرنا نہ کرنا اختیار میں ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو اس جاہ سے متمتع ہونا جائز ہے (۲) مگر دو باتوں کا دیکھ لینا ضروری ہے ایک تو یہ کہ دوسروں کو راحت پہنچا سکے گا یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ اپنا دین تو کسی حال میں برباد اور تباہ نہ ہوگا۔ ان دونوں باتوں پر نظر کر کے اس جاہ کا قبول کرنا اور اس سے منتفع ہونا جائز ہے۔ اور اگر یہ شرطیں نہ پائی جاویں تو قبول کرنا حرام ہے۔

تیسری قسم جاہ کی یہ ہے کہ نہ کسی نے بادشاہ بنایا ہے نہ قدرتی طور پر جاہ ملی

(۱) قدرو منزلت (۲) اس قدرو منزلت سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

ہے بلکہ خود کوشش کرتا ہے جاہ کے حاصل ہونے کی جیسے عالمگیر نے حصول سلطنت کی کوشش کی تھی اس کا حکم یہ ہے کہ بجز خاص خاص حالات کے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

حکومت اور شریعت

بلکہ اصل قانون تو یہ ہے کہ اپنے لئے خود کوئی منصب تجویز کرنا اور اس کی خواہش کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی میں سب عہدے حکومت کے داخل ہیں درانحالیکہ وہ فی نفسہ شرعاً جائز بھی ہوں۔ سو جائز ہونے کی صورت میں بھی یہ جائز نہیں ہے کہ اس کی خواہش کی جائے کیونکہ حکومت کی درخواست اور خواہش کرنا جائز نہیں ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جو حکومت کی درخواست کرے ہم اس کو کبھی حکومت نہ دیں گے (۱) راز اس میں یہ ہے کہ حکومت بڑی ذمہ داری کی چیز ہے اور بڑا بوجھ اٹھانا ہے۔ اگر دس پر حاکم ہے تو دس کا بوجھ اٹھانا اور پچاس پر حاکم ہے تو پچاس کا بوجھ اٹھانا اور ایک پر حاکم ہے تو ایک کا بوجھ اٹھانا اور یہ بوجھ اٹھانا اور ان کی راحت کی فکر کرنا نہایت دشوار کام ہے جیسا تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عمر h کی تواضع

چنانچہ حضرت عمر h ایک مقام پر پہنچے آپ کو ایک خیمہ جنگل میں نظر آیا آپ اس خیمہ کے باہر کھڑے ہوگئے دیکھا کہ اس میں بچوں کے رونے کی آواز آرہی ہے اور گو یہ تجسس تھا مگر امام وقت کو تفتیش اور تجسس جائز ہے دوسرے کو جائز نہیں۔ غرض آپ کو معلوم ہوا کہ ایک خاندان باہر سے آکر ٹھہرا ہے ان کے بچے بھوک سے چلّا رہے ہیں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ بی بی نے ایک خالی دیگچی چڑھا رکھی ہے اور بچوں سے کہہ رہی ہے کہ سو جاؤ کچھ دیر میں کھانا پکا کر تمہیں اٹھالیں گے۔

اس حالت کو دیکھ کر آپ بے حد دل گیر ہوئے (۲) پھر ان کے سامنے کھڑے ہوگئے وہاں کوئی فیشن تو تھا نہیں جس سے شناخت ہوتی معمولی وضع سے جو کھڑے

(۱) آج کے حکام اس قانون میں غور کریں (۲) بہت افسردہ ہوئے۔

ہوئے تو کسی کو معلوم بھی نہ ہوا کہ کون ہیں۔ آپ نے ان سے خود فرمایا کہ عمر کے پاس جا کر اپنے حال کی اطلاع کرو۔ وہ تمہیں کھانے پینے کا سامان دیں گے تو وہ عورت کہتی ہے سبحان اللہ! یہ ہمارے ذمہ ہے یا ان کے ذمہ ہے کہ وہ خود ہماری خبر رکھیں۔ انہوں نے خلافت کیوں اختیار کی ہے جب ان سے انتظام نہیں ہوسکتا آپ نے کہا کہ عمر غیب دان نہیں ہے ایک شخص تمام باتوں کا احاطہ نہیں کرسکتا اس عورت نے کہا کہ پھر کیوں خلافت کا منصب اختیار کیا ہے چھوڑ دیا ہوتا۔ بس یہ سن کر آپ واپس ہوئے اور رات ہی کو بیت المال کا قفل(۱) کھولا اور کچھ آٹا اور جنس اپنے ساتھ لیا غلام نے کہا کہ یہ سامان میرے حوالے کیجئے میں لے چلوں گا تو آپ فرماتے ہیں۔

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (۲) فرمایا یہاں کا بوجھ اٹھانا سہل ہے آخرت کا بوجھ اٹھانے سے۔ آپ لے کر وہیں پہنچے اور ان سے کہا کہ اس کو کھاؤ پیو۔

حاکم ہونے کا حقیقی مستحق

میں نے ایک تاریخ میں دیکھا ہے کہ اسی طرح آپ شب کے وقت ایک بار گشت کرتے پھر رہے تھے ایک خیمہ دیکھا اور اس میں سے دردناک آواز سنی تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ ایک عورت کے دردزہ ہو رہا ہے (۳)۔ آپ نے کہا کہ تم نے کسی دایہ کو نہیں بلایا وہ لوگ بولے ہم پردیسی ہیں ہمارے پاس کون ہے بلانے والا۔ بس آپ فوراً اپنے گھر گئے اور اپنی بیوی کو وہاں لائے اور ان سے کہہ دیا کہ یہ ظاہر نہ کرنا کہ میں خلیفہ کی بیوی ہوں اس کے جتلانے کی ضرورت نہیں غرض یہ کہ بچہ پیدا ہوا اور ان کے منہ سے بے اختیار یہ کلمہ نکل گیا۔ ابشر یا امیر المؤمنین بشارت ہو آپ کو یا امیر المؤمنین!

اس سے ان لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہ امیر المؤمنین ہیں خیال تو فرمائیے کہ یہ خلیفہ کی بیگم ہیں۔

پس حاکم ہونے کا اس کو حق ہے جو دوسروں کی راحت رسانی کی اتنی ذمہ

(۱) تالہ (۲) ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا (۳) بچہ پیدا ہونے کا درد ہو رہا ہے۔

داری کر سکے نہ یہ کہ نام لکھا لیا اور حاکم ہوگئے حاکم پر بڑی ذمہ داری ہے اور بڑی مشقت ہے جس کو کوئی شخص خوشی سے اپنے لئے گوارا نہیں کرسکتا پھر باجود اس کے جو شخص درخواست کررہا ہے حکومت کی تو ظاہر ہے کہ اس کی غرض جلب مال اور جلب جاہ(۱) وغیرہ ہے۔ راحت رسانی خلق مقصود نہیں۔!

مثلا ایک رئیس ہیں جو تحصیلدار بنے ہوئے ہیں حالت ان کی یہ ہے کہ کسی کو جیل خانے بھیج دیا کسی پر جرمانہ کردیا کسی کے بید لگادیئے باوجود یکہ اپنے گھر کی آمدنی پانچ سو اور ہزار ماہوار کی ہے مگر پھر درخواست ہے تحصیلداری اور ڈپٹی کلکٹری کی اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جلب جاہ یا جلب مال مقصود ہے اور کچھ بھی نہیں اور اکثر غرباء کو حکومت سے جلب مال مقصود ہوتا ہے اور امراء کو جلب جاہ۔

حضرت عمر h کا معیارِ انتخاب

اور حکومت کے حقوق سنئے۔ حضرت عمر h نے انتظام کیا تھا کہ میری خلافت میں بنی عدی میں سے کوئی حاکم نہ بنایا جائے (بنی عدی حضرت عمر h کا قبیلہ اور خاندان ہے) کیونکہ وہ میرے اثر سے دوسروں کو ستاسکتا ہے مگر ایک شخص کو لیاقت کی وجہ سے حاکم بنادیا تھا اس نے کچھ اشعار کہے تھے جس میں اپنی بیوی کو خطاب تھا کہ وہاں رہیں گے اور عیش وعشرت کریں گے وہ اشعار آپ کے پاس پہنچ گئے آپ نے اس کی حاضری کا حکم دیا اور پوچھا کہ یہ تمہارے اشعار ہیں۔ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری نیت یہ ہے کہ خوب عیش اڑائیں گے اس نے کہا کہ حضرت یہ تو زبانی شاعری تھی دل سے کوئی واقعی مضمون نہ تھا آپ نے فرمایا کہ زبان پر کسی بات کا تذکرہ اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک دل میں نہ ہو۔ تم قابل حکومت نہیں ہو اور معزول کردیا۔

(۱) اس کا مقصد مال واقتدار کا حصول ہے۔

طالب منصب کا حکم

اسی واسطے قانون ہے شریعت کا کہ صاحب غرض کو حکومت نہ دی جائے گی کیونکہ ایسے شخص کی غرض جلب مال اور جلب جاہ ہوگی(۱)۔ راحت رسانی خلق (۲) مقصود نہ ہوگی تو جو مقصود ہے حکومت سے وہ حاصل نہ ہوگا۔

اب لوگ اپنے اپنے دلوں میں ٹٹول کر دیکھ لیں کہ عہدوں کی درخواست کرنے سے کیا غرض ہوتی ہے آیا یہ مقصود ہوتا ہے کہ مال و جاہ حاصل ہو یا یہ کہ خلق کو آرام پہنچے اگر یہ ہوتا تو اس کے آثار بھی تو ہوتے جب آثار نہیں تو یقیناً مطلوب جاہ و مال ہے اور کچھ نہیں۔ اور اگر سو میں ایک ایسا ہو بھی گیا تو وہ کس شمار میں ہے۔ اگر یہ بات ہوتی (یعنی جاہ مقصود نہ ہوتی بلکہ خدمت خلق اور ان کی حفاظت اور راحت رسانی مقصود ہوتی تو جو شخص تحصیلداری کر رہا ہے اور اس کی وہی ڈپٹی کلکٹری کی جگہ ہوتی تو وہ اس جگہ پر نہ جاتا کیونکہ اس کی غرض تحصیلداری میں بھی حاصل ہو رہی ہے۔ (وہ کیا ہے خدمت خلق) بلکہ سب انسپکٹری میں تحصیلداری سے بھی زیادہ حفاظت کر سکتے ہیں اگر خدمت مدنظر ہے تو اسی کو اختیار کرتے کیونکہ مقصود اس میں زیادہ حاصل ہے حالانکہ ایسا نہیں کرتے۔ تو یہ علامت اس کی ہے کہ مقصود خدمت خلق نہیں بلکہ مقصود جاہ ہے۔ اور جو تحقیق میں نے ڈپٹی کلکٹری وغیرہ کے متعلق بیان کی کچھ اسی میں منحصر نہیں ہے۔

واعظین کا حال

میں دینی مناسبت والوں کو مثلاً واعظین کو بھی کہتا ہوں کہ اس میں بھی وہی تفصیل ہوگی جو اسباب جاہ میں مذکور ہوئی وہ یہ کہ کبھی تو خود واعظ بنے گا اور کبھی لوگ بنائیں گے اور اس کے متعلق بھی احکام کی وہی تحقیق ہے جو اوپر آچکی مثلاً اپنے طور پر تو خود واعظ بننا جائز نہیں اور اگر بنا دیا جائے تو جائز ہے۔ حدیث نے

(۱) مال اور اقتدار کو حاصل کرنا (۲) لوگوں کو آرام پہنچانا۔

یہی فیصلہ کیا ہے۔ حدیث میں ہے: لا یقص الامیر او مامور او مختال یعنی واعظ کون بنے گا ایک امیر یعنی امام المسلمین ایک اس کا مامور یعنی جس کو امام المسلمین نے اس کام کے لئے تجویز کیا ہو۔ ایک مختال یعنی متکبر ریا کار جو یوں سمجھتا ہے کہ ہم بڑے ہیں یا بڑا بننا چاہتے ہیں۔ یہ حدیث دلیل ہے میرے دعوے کی اب آج کل کے واعظین سوچ لیں کہ آیا آپ کو کسی نے واعظ بنایا ہے یا خود بنے ہیں۔ اگر کسی نے بنایا ہے تو مامور میں داخل ہیں اور اگر نہیں بنایا تو مختال ہیں۔ کیونکہ امیر نہ ہونا تو ظاہر ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ تم بھی تو اسی میں داخل ہو تمہیں کس نے واعظ بنایا ہے؟ اس لئے تم بھی مختال ہوئے اور اگر یہی ہے تو کوئی بھی ہندوستان میں وعظ نہ کہے، کیونکہ یہاں نہ تو کوئی امیر ہے نہ مامور ہے بس تیسری شق رہ گئی لہذا سب کے سب مختال ہوئے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اول حدیث کی حقیقت سمجھنا چاہیے اس سے جواب معلوم ہو جائے گا

واعظین کے انتخاب کا طریقہ

سو اس کے لئے ایک مقدمہ سمجھئے وہ یہ کہ بادشاہ کے جو اختیارات ہیں اس کی حقیقت کیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ میزان کل ہے (۱) تمام رعایا کے اختیارات کی یعنی فرادیٰ (۲) جو اختیارات رعایا کو تھے سب کی میزان بادشاہ کو سپرد کر دی ہے اس کا حاصل یہ ہوا کہ بادشاہ کے اختیارات مستفاد ہوتے ہیں رعایا سے۔ یعنی عوام الناس اختیار دیتے ہیں بادشاہ کو۔ اب چونکہ تمام عوام الناس کا اجتماع تو عادۃً محال ہے اس لئے ان کے قائم مقام اہل حل وعقد ہوں (۳) گے۔ نئی اصطلاح میں اس کو پارلیمنٹ کہتے ہیں اور اس میں یہ ضروری نہیں کہ عوام الناس زبان سے کہیں کہ یہ لوگ ہمارے قائم مقام ہیں۔ بلکہ عوام الناس ان کے ساتھ برتاؤ ایسا کرتے ہیں جس کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ان کو اپنا پیشوا اور دل سوز سمجھتے ہیں (۴)۔ یہ برتاؤ شہادت اس

(۱) اصل الاصول (۲) الگ الگ جو اختیارات سب کو تھے انہوں نے بادشاہ کے سپرد کر دئے (۳) سمجھ دار عقلاء (۴) راہنما اور ہمدرد۔

کی ہے کہ عوام الناس نے ان خواص کو اپنی طرف سے اختیارات دے دیئے ہیں وہ گویا وکیل ہیں عوام الناس کے۔ بس وہ مل کر بادشاہ کو بادشاہ بناتے ہیں۔ اور ان کا بنانا سب کا بنانا ہے۔ بس اہل حل وعقد کی جماعت سب کی قائم مقام ہے جب یہ سمجھ میں آ گیا تو معلوم ہوا کہ بادشاہ خود اختیارات میں مستفید ہے(۱) عوام سے۔ اور بادشاہ کے بنانے والے بھی عوام ہی ہیں بواسطہ اہل حل وعقد کے۔ تو بس اہل حل وعقد ہی سب کچھ ہوئے، جیسا وہ کریں گے وہی سب کی طرف سے سمجھا جائے گا۔ پس یہاں اگرچہ امام المسلمین کا وجود نہیں ہے مگر اہل حل وعقد تو موجود ہیں یعنی علماء وصلحاء اس لئے صلحاء کا تسلیم کیا ہوا واعظ صحیح طور پر سے واعظ ہوگا، گویا اس کو بادشاہ ہی نے واعظ بنایا ہے۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے، کیونکہ اگر بواسطہ ایک فعل صحیح ہے تو بلاواسطہ بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگا۔ (مطلب یہ ہے کہ جو واعظ بادشاہ کے واسطہ سے بنایا گیا ہے جب وہ صحیح ہے تو اہل حل وعقد کا بلاواسطہ بادشاہ کے کسی کو واعظ بنادینا بدرجہ اولیٰ درست ہوا)

بس فیصلہ یہ ہوا کہ جس کو صلحاء واتقیاء(۲) وعظ کے لئے تجویز کریں وہ مامور میں داخل ہوجاوے گا اور اس کو وعظ کہنا جائز ہوگا اور جس کو یہ جماعت تجویز نہ کرے اس کو وعظ کہنا جائز نہیں ہوگا۔ اگر اس معیار پر نظر ہو تو جو گمراہی پھیل رہی ہے قوم میں وہ سب جاتی رہے گی مگر آج کل تو کوئی معیار ہی نہ رہا۔ ہر شخص واعظ ہے مقتدا ہے۔

جاہل واعظ

دیوبند میں ایک نابینا صاحب تشریف لائے آنکھوں کے تو اندھے تھے ہی دل کے بھی اندھے تھے۔ سورہ جمعہ میں جو ان کنتم تعلمون ہے اس کا آپ نے عجیب ترجمہ کیا وہ یہ ہے کہ اے لوگو! بہتر ہے تمہارے لئے کہ تالا لگا کر جمعہ کی نماز کو چلے جایا

(۱) بادشاہ کو سب اختیارات عوام سے حاصل ہوئے ہیں۔ (۲) نیک وتقی لوگ وعظ کے لئے مقرر کریں۔

کروآپ نے تعلمون کوتالاموند(۱) سمجھا اس کا یہ ترجمہ کیا میں بھی اس جلسہ میں موجود تھا اور مولانا رفیع الدین صاحب بھی موجود تھے مولانا نے دھمکا کر وعظ کہنے سے منع فرمایا۔

ایک اور حکایت ہے کانپور کی کہ مدرسہ جامع العلوم میں ایک واعظ صاحب تشریف لائے اور سورہ الرحمٰن کے تیسرے رکوع کا وعظ شروع کیا جنتان کوتو جنتن پڑھا اور یہ ترجمہ کیا کہ جنت میں ایک ایک تخت کا پایا ہزار ہزار کوس(۱) کا ہوگا۔ کوس بڑے شین سے فرمایا پھر اس کی تفسیر بھی فرمائی کہ ایک کوس ہوتا ہے چھوٹے سین سے وہ چھوٹا ہوتا ہے اور ایک کوش ہوتا ہے بڑے شین سے وہ بڑا ہوتا ہے اور بھی بہت واہی تباہی روایات غلط بیان کیں بے چارے کو اس وعظ میں ایک آنہ ملا۔

میرے چھوٹے ماموں صاحب حکایت بیان کرتے تھے کہ ایک جامع مسجد میں ایک جاہل پہنچا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہاں وعظ بھی ہوا کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ نہیں ہوتا۔ تو بعد نماز کے خود ہی پکارا کہ صاحبو! اس وقت واج (وعظ) ہوگا اور نماز کے بعد وعظ کے لئے منبر پر جا بیٹھے تو آپ نے یاسین کو یشین پڑھا یہاں تک بھی غنیمت تھا ترجمہ کیا تو نور علی نور ترجمہ یہ کہ اے محمد! اگر تو نہ ہوتا تو آسمان وزمین کچھ نہ ہوتا یہ ترجمہ یاسین کا کیا اس کے بعد فرمایا کہ بھائیو تھکے ماندے ہیں اس لئے آدھا وعظ آج کہا ہے آدھا کل ہوگا۔ اس جلسہ میں ایک نابینا عالم بھی موجود تھے انہوں نے کہا ذرا ان واعظ صاحب کو میرے پاس لانا جب وہ آئے تو ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر فرمایا کہ آپ کی تحصیل کہاں تک ہے تو آپ کہتے ہیں کہ ہماری تحصیل ہے ہاپوڑ۔ اتنے بڑے عالم تھے اور وعظ فرماتے تھے وہ بولے کہ مولانا میں حکومت کی تحصیل کو نہیں پوچھتا بلکہ یہ پوچھتا ہوں آپ نے پڑھا کیا کیا ہے۔ تو آپ فرماتے ہیں ہم نے سب کچھ پڑھا ہے وفات نامہ، سانپن نامہ ہرنی نامہ(۳) اور اس کے بعد کہا اور تو کیا جانے اندھے۔ حالت تو ان کی یہ تھی اور بڑے خوش تھے کہ ہم واعظ ہیں۔

(۱) تالہ ڈالدو (۲) ایک کوس تین میل کا ہوتا ہے (۳) یہ بے سند قصے کہانیوں کی کتابوں کے نام ہیں۔

حضرت یہ واعظین کی آج کل کیفیت ہے۔ بعض لوگ لفاظ ہوتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑھے لکھے ہیں۔ ان کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ کون سی بات صحیح ہے کون سی غلط۔ بس روپے سیدھے کرنے کے لئے وعظ کہتے ہیں۔ شریعت نے اس کا بھی فیصلہ کیا ہے کہ واعظ کون ہوسکتا ہے جس کی تفصیل میں نے غرض کردی ہے۔

جاہل پیر

اسی طرح پیر بن جانا بھی ہے اس میں یہی شرط ہے کہ مامور ہو (۱) یعنی کسی شیخ کامل نے اس کو اجازت دی ہو بیعت کرنے کی۔ مگر آج کل تو یہ حالت ہے پیری مریدی کی زبان سے واہی تباہی بکتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ فقیری کے راز بیان ہورہے ہیں۔

داراشکوہ کا قصہ سنا ہے کہ اس نے ایک شاہ صاحب سے پوچھا کہ جناب کی عمر کتنی ہے کہا کہ جب تمہارے دادا صاحب کی لڑائی محمد صاحب سے ہوئی تھی تو فقیر کی اتنی عمر تھی۔ سعداللہ خان وزیر نے کہا۔ ماشاء اللہ آپ مورخ بھی بہت بڑے ہیں۔ داراشکوہ بولے ایسا نہ کہو بزرگوں کے اسرار ہوتے ہیں یا اور کسی کا قصہ ہو۔

کاندھلہ میں ایک شاہ صاحب آئے مولانا مظفرحسین صاحب ان سے ملنے گئے شاہ صاحب کہنے لگے کہ مولوی صاحب! تنہائی میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھونگا مولوی صاحب نے دل میں کہا کہ خدا جانے تصوف کا کون سا دقیق مسئلہ پوچھیں گے۔ اب سنئے شاہ صاحب کیا مسئلہ پوچھتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ محمد صاحب کی جو اتنی شہرت مشرق ومغرب میں ہوئی ہے وہ کس کے مرید تھے۔ کیا بڑے پیر صاحب سے آپ نے بیعت کرلی تھی۔ مولوی صاحب نے کہا، کم بخت! فقیر بنا پھرتا ہے۔ لوگوں کو بہکاتا پھرتا ہے ملعون تو کیسا مسلمان ہے؟ تجھ کو اتنی خبر بھی نہیں کہ بڑے پیر صاحب تو حضور ﷺ کی اولاد ہیں اور آپ ﷺ کے امتی ہیں غرض قصبہ سے نکلوادیا۔

ایک صاحب قنوج میں تشریف لائے لوگوں کو مرید کرنا شروع کردیا اور

(۱) شیخ کامل نے اس کو بیعت کرنے کی اجازت دی ہو۔

سب کو یہ تعلیم کی کہ نماز میں قراءت زبان سے مت پڑھو دل میں خیال کرلیا کرو(۱) اور ساتھ ہی یہ بھی تاکید تھی کہ کسی سے کہنا نہیں غرض لوگوں کی نمازیں خوب تباہ کیں آخر کسی طرح وہاں کے رؤسا کو خبر ہوگئی تب اس کو نکلوایا۔

غرض پیری مریدی کی یہ حالت ہورہی ہے کہ اس کا کوئی صحیح معیار ہی نہیں رہا صرف معیار یہ رہ گیا ہے کہ جس طرف مخلوق جارہی ہے اسی طرح ہولئے۔

اشعب طماع(۲) کا قصہ ہے کہ لڑکے ان کو بہت چھڑا کرتے تھے جب زیادہ پریشان ہوجاتے کہہ دیتے کہ یہاں کیا رکھا ہے فلاں امیر کے گھر مٹھائی تقسیم ہورہی ہے یا کھانا بٹ رہا ہے وہاں جاؤ۔ لڑکے یہ سن کر امیر کے گھر کی طرف دوڑتے تو کچھ دیر میں آپ بھی اسی طرف کو دوڑتے کوئی کہتا کہ میاں تم کیوں چلے تو کہتے کہ شاید مٹھائی تقسیم ہی ہورہی ہو کیونکہ لڑکے بھاگے جارہے ہیں حالانکہ آپ ہی نے ان کو بھگایا تھا۔

یہی حال یہاں ہے کہ عوام الناس کہہ دیتے ہیں کہ جب اتنے آدمی اس کے پاس جاتے ہیں تو پیر میں کچھ تو ہوگا اور پیر صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ جب اتنے آدمی میرے معتقد ہیں تو میں بھی کچھ ہوں گا۔ حالانکہ خود ہی ان کو دھوکہ دیا ہے مگر خود بھی اپنے دھوکہ میں آگئے۔

کشف کوئی کمال نہیں

آج کل بزرگی کا معیار اکثر تو یہ رہ گیا ہے کہ بڑے بڑے لوگ جس کے مرید ہوں تو بس وہ پیر ہے۔ یا جس کو کشف ہوتا ہو وہ پیر ہے۔ اگر کشف ہی پر دارو مدار ہے تو شیطان کو ایسا کشف ہوتا ہے کہ بڑوں بڑوں کو بھی نہیں ہوتا۔

دیکھئے بدر میں بڑے بڑے صحابہ j حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ شیطان بھی کفار کے لشکر میں تھا اور ان سے آکر کہا کہ میں تمہارا حامی ہوں لوگ کوئی سردار سمجھے۔

(۱) نماز میں قراءت فرض ہے اور اس کے الفاظ کا زبان سے ادا کرنا بھی فرض ہے اگر الفاظ صرف دل میں سوچے اور زبان سے ادا نہ کرے نماز نہیں ہوگی (۲) ایک صاحب کا نام ہے۔

﴿فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰى مَالَا تَرَوْنَ﴾ (۱)

کہ جب دونوں جماعتیں مقابل ہوئیں اور فرشتوں کا نزول ہوا تو شیطان صاحب گھبرا گئے اور کہا کہ مجھے ایسی ایسی چیزیں نظر آتی ہیں کہ تمہیں نظر نہیں آتیں۔ یہ حالت دیکھ کر شیطان تو بھاگ گیا اور بہت سے کفار کے بھی قدم اکھڑ گئے۔ اب دیکھ لیجئے کہ بہت سے صحابہ j تو فرشتوں کو نہ دیکھ سکے اور شیطان نے دیکھ لیا۔

قبر میں جب عذاب ہوتا ہے تو جانوروں کو معلوم ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کتوں اور بلیوں کو کشف قبور ہوتا ہے۔ مگر آج کل پیری کی یہ خاص علامت ہے بھلا جو چیز حیوانات تک میں مشترک ہو وہ کیسے انسانی کمال ہوسکتی ہے۔ افسوس یہ لوگ اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے۔

بعض لوگوں کے نزدیک معیار بزرگی

بعضوں نے بزرگی کا معیار یہ مقرر کیا ہے کہ تصرف کر کے لوگوں کو لوٹ پوٹ کردے بس وہ بزرگ ہیں۔ اگر یہی معیار ہے تو ایسا تو جوگی بھی کر دیتے ہیں جو کافر محض ہیں۔ مسمریزم والے کیا کیا نہیں کرتے عجیب عجیب کام کر کے دکھلا دیتے ہیں تو چاہیے یہ سب بھی بزرگ ہوجائیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جس سے خرق عادت (۲) صادر ہو وہ بزرگ ہے اگر یہی حال ہے تو خرق عادت دجال سے زیادہ کسی سے بھی صادر نہ ہوگی۔ زمین کے خزانے تک نکل کر اس کے ساتھ ساتھ چلیں گے ایک صالح شخص اس کی خدائی کا انکار کرے گا۔ پس وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ پھر اس کو زندہ کرے گا وہ پھر انکار کرے گا مگر وہ پھر اس پر قادر نہ ہوگا۔ اگر تصرفات اور خوارق

(۱) سورۂ انفال: ۴۸ (۲) خلاف عادت کام کا ظہور ہوجائے۔

دلیل بزرگی کی ہیں تو دجال بڑا بزرگ ہونا چاہئے۔ پس یہ سب معیار تو غلط ہیں۔

شیخ کامل کا معیار

شیخ کامل کے معیار کی چند صفات ہیں ان صفات کو سب سے پہلے دیکھنا چاہئے۔

ایک یہ کہ بقدر ضرورت اس کو علم دین حاصل ہو۔ جاہل محض نہ ہو۔

دوسرے: اس کو علماء سے موانست ہو (۱) نفرت نہ ہو۔ اگر پیر جاہل ہے اور اس کو علماء سے نفرت ہے تو جب اسے مسائل کی ضرورت ہوگی، تو اپنی رائے پر عمل کرے گا اور گمراہ ہوگا۔

تیسری بات: یہ ہے کہ وہ عامل ہو شریعت پر متبع سنت ہو، شریعت کے خلاف عمداً نہ کرتا ہو کیونکہ جو شخص کو صحیح تعلیم پر قادر ہو خود عمل نہ کرتا ہو تو اس کی تعلیم میں برکت نہ ہوگی۔

چوتھے: یہ کہ کسی شیخ مسلم عند العلماء سے مجاز بھی ہو۔ (۲)

پانچویں: یہ کہ اس کی صحبت میں یہ اثر ہو کہ روز بروز دنیا سے دل افسردہ ہوتا جاتا ہو اور آخرت کی رغبت بڑھتی جاتی ہو۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں:

کار مردان روشنی و گرمی ست کار دوناں حیلہ و بے شرمی ست (۳)

اور مکار پیروں کے بارے میں فرماتے ہیں:

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نباید داد دست (۴)

آج کل کے پیر

تو یہ منصب بھی بہت بڑا ہے اس میں بھی وہی تفصیل ہے کہ کسی شیخ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو۔ اب تو پیری بھی ایک رسم ہوگئی ہے وہ یہ کہ کسی خاندان میں کوئی انکے بڑے پیر ہوگئے۔ بس ان کی نسل میں پیری چل پڑی۔ جب ان میں کسی کو

(۱) انس و محبت (۲) کسی ایسے شیخ وقت نے جس کو علماء بزرگ سمجھتے ہوں اس کو بیعت کرنے کی اجازت دی ہو (۳) نیک لوگوں کی علامت یہ ہے کہ اس سے علم کی روشنی اور عشق کی گرمی حاصل ہوتی ہے اور جو نااہل ہیں ان کی صحبت سے حیلہ سازی اور بے شرمی پیدا ہوتی ہے (۴) بہت سے شیاطین انسانی لبادہ میں پھرتے ہیں ان کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیدینا۔

صاحب سجادہ بناتے ہیں تو سب لوگ جمع ہوکر ان کے سر پر پگڑی باندھتے ہیں(۱)۔ گویا یہ مرید لوگ پیر کو پیر بناتے ہیں۔ (کیونکہ پیر کی نسل تو خود پیر ہوتی ہے پھر ان کے سر پر پیری کی پگڑی باندھی تو اور زیادہ پیر ہوگئے) پھر ان میں جو اہل ہوتے ہیں وہ تو کسی شیخ کامل کی طرف بغرض اصلاح رجوع کر لیتے ہیں ورنہ دوکاندار تو ہیں ہی۔

چنانچہ گنگوہ میں ایک پیرزادہ تھے انہوں نے اپنی بی بی کو مجھ سے بیعت کرایا کسی نے ان سے کہا کہ تم تو خود پیر ہو خود کیوں نہ بیعت کرلیا انہوں نے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ ہم تو اس کے پیر ہیں (یعنی کھانے کمانے کے پیر ہیں) ہم کہاں سے پیر ہوئے تھے تو بعضے ایسے منصف مزاج بھی ہیں مگر شاذ(۲)۔

منصب پیری کا مقتضی

غرض حضرت یہ بہت ہی بڑا منصب تھا مگر اس منصب کی اب یہ درگت ہورہی ہے کہ عوام الناس اس کی دستار بندی کرتے ہیں جب دستار بندی ہوگئی اور بڑے ہوگئے مگر ہیں جاہل، تو اب ان کو تعلیم حاصل کرنے اور کسی کامل کی طرف رجوع کرنے سے عار آتی ہے(۳) کیونکہ بڑا ہوکر چھوٹا نہیں ہوا جاتا ایسے پیر قابل اس کے ہیں کہ ان کو خیر خواہی سے یہ خطاب کیا جاوے۔

اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی تا راہ بیں نہ باشی کے راہبر شوی
در مکتب حقائق پیش ادیب عشق ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

''اے بے خبر کوشش کرتا کہ صاحب خبر ہو جب تک راہ صحیح دیکھنے والا نہیں بنے گا رہبر کیسے بنے گا۔ حقائق وعارف کے مدرسہ میں ادیب عشق کے سامنے کوشش کر کہ اے لڑکے ایک روز تو خود پدر بن جائے گا''

خودرائی کا انجام

باقی بدوں شرائط کے محض اپنی رائے سے پیر بن جانا خودرائی ہے اور

(۱) جیسے آج کل اکثر مقامات کی سجادہ نشینی ہے (۲) بہت تھوڑے (۳) شرم آتی ہے۔

سلوک میں خودرائی وہ چیز ہے جس کی بابت کہتے ہیں۔

فکر خود ورائے خود در عالم رندی نیست کفرست دریں مذہب خود بینی وخودرائی

''اپنی فکر اور رائے کو راہ سلوک میں کچھ دخل نہیں اس راہ میں خود بینی اور خودرائی کفر ہے''

دیکھئے عارف شیرازی ایسے لوگوں کو کافر کہتے ہیں یعنی کافر طریقت۔ بس ایسے مشائخ جو حقیقت میں خودرائے ہیں وہ خودرو پیر ہیں حقیقی پیر نہیں۔

جاہل پیروں کی جاہلانہ تحقیقات

ایسے پیروں کی علمی تحقیقات دیکھئے تو قابل دید ہیں۔

ایک ایسے ہی پیر والضحٰی کی تفسیر بیان کررہے تھے۔ والضحٰی واللیل اذا سجیٰ اے نفس تیری یہی سجا (سزا) ہے ایک مسئلہ وحدۃ الوجود کا ان کو مشق کے لئے مل گیا اس کا وہ ناس مارا ہے کہ خدا کی پناہ(۱)۔ وحدۃ الوجود جو حق کے موافق ہے اس میں تو کلام نہیں۔ باقی یہ لوگ جو اس کے متعلق تحقیقات بیان کرتے ہیں باطل ہونے کے ساتھ مضحکہ آمیز بھی ہیں۔

ایک ایسے ہی پیر کہتے ہیں کہ وحدۃ الوجود ''قل یا''(۲) سے ثابت ہے۔ کسی نے کہا کہ قل یا سے کیسے ثابت ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ دیکھو ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ ''اے نبی اکرم ﷺ آپ فرمادیں کہ جس کی تم عبادت کرتے ہو میں اس کی عبادت نہیں کرتا'' اس میں لا زائد ہے۔ یعنی اعبد ما تعبدون ہے مطلب یہ ہے کہ اے کافرو! میں بھی اسی چیز کی عبادت کرتا ہوں تو دونوں کے معبود یعنی بت اور خدا تعالیٰ نعوذ باللہ ایک ہوئے۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ دلیل کیا ہے لا کے زائد ہونے کی سو وہ دلیل یہ ہے کہ حضرت علی h نے ایک دفعہ نماز میں قل یا پڑھی تھی تو لا چھوڑ گئے تھے۔ انہوں نے اس ترک سے قصداً اس

(۱) اس میں اتنی گڑبڑ کی ہے کہ اللہ بچائے (۲) قل یا ایھالکافرون سے۔

بات کو ظاہر کر دیا کہ لا زائد ہے۔ پھر اس پر یہ شبہ ہوتا تھا کہ وہ حالت سکر میں (۱) ترک ہو گیا تھا۔ اس کا جواب یہ عطا ہوا تھا کہ برائے نام شراب پی لی تھی تا کہ خشک مولویوں کے فتویٰ سے بچ جاؤں اور سکر وغیرہ کچھ نہ تھا۔ خدا کی پناہ پھر ان خرافات کو فقیری کے نکات سمجھتے ہیں۔

نکات پر یاد آیا ہمارے یہاں ایک رئیس تھے قاضی امیر احمد وہ کہتے تھے کہ میں ایک دفعہ پیران کلیر میں موجود تھا ان کو دو درویشوں نے پکارا او مرغے ادھر آ ان کو خیال بھی نہ ہوا کہ مجھ کو کوئی پکارتا ہوگا۔ پھر پکارا، او مرغے ادھر آ، اس پر انہوں نے پیچھے پھر کر دیکھا کہ آخر یہ کس کو کہہ رہے ہیں تو وہ کہنے لگے کہ ابے ہم تجھ ہی کو تو بلا رہے ہیں۔ ان کو غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کر کے تماشا دیکھنے چلے گئے کہ دیکھو کیا بات ہے جب ان کے پاس پہنچے تو کہا بیٹھ جا، دیکھ مرشد کا نکتہ سن کہنے لگے کہ جب خدا نے بندوں سے احکام کا اقرار لیا تھا تو درویش تھے اگلی صف میں اور مولوی تھے پیچھے کی صف میں۔ خدا نے (نعوذ باللہ) بھنگ بوزہ کا حکم فرمایا تھا چونکہ مولوی دور تھے بھنگ بوزہ کا نماز روزہ سن لیا اور درویشوں نے بھنگ بوزہ ہی سنا اس لئے ہم اس میں مشغول ہو گئے۔ اور وہ اس میں مشغول ہو گئے اس کے بعد کہا کہ جا مرشدوں کا یہ نکتہ یاد رکھنا۔ بھولنا مت۔

ایک اور قصہ ہے ایک درویش نے مولوی فیض الحسن صاحب سے کہا کہ مولوی بتلا چار میم کون سے ہیں۔ وہ اس مہمل بات کو سن کر خاموش ہو گئے بقول شخصے کہ

جواب جاہلاں باشد خموشی ''جاہلوں کا جواب خاموشی ہے''

درویش نے کہا کہ نہیں بتلاتا تو چوغہ مولویت کا اتار کر رکھ اور اس کو فقیر سے سن کہ چار میم کون سے ہیں۔ مولا، محمد، مکہ، مدینہ یہ ہیں چار میم اور اس نکتہ کو یاد رکھ۔ بھولیوں مت!

(۱) نشہ کی حالت میں۔

ہمارے ماموں صاحب m کہتے تھے کہ ایک فقیر نے ان سے کہا بتلا! محمد ﷺ کا مرتبہ بڑا ہے یا رزق کا۔

انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ سب سے بڑھا ہوا ہے اس پر انہوں نے کہا کہ بے پیرا معلوم ہوتا ہے اور سونٹا سر پر گھما کر (جیسے ان لوگوں کی عادت ہے) کہنے لگا دیکھ، اذان میں ہے اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں) اس میں انّ پہلے ہے اور محمد ﷺ بعد میں۔ ان رزق کو کہتے ہیں اس لئے رزق کا مرتبہ بڑا ہے۔

یہ تصوف کے محققین ہیں ایسے ہی لوگوں نے ناس کر رکھا ہے لوگوں کا بس یہ عوام الناس کا دیا ہوا منصب ہے کہ چند جاہل باہم جمع ہوگئے اور کسی کو پیر بنالیا ظاہر ہے کہ اس سے تو ایسے ہی جاہل پیر پیدا ہوں گے۔ حقیقی پیر اس طرح تھوڑا ہی بنتا ہے میں اسی کو کہہ رہا تھا کہ واعظ اور پیر خود بننا جائز نہیں۔ بلکہ کسی محقق کے امر واذن (۱) کے بعد اس منصب کو قبول کرنا جائز ہے۔

طلب منصب کی صورت

یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ حکومت کی خود درخواست کرنا جائز نہیں بلکہ اسلامی قانون تو یہ ہے کہ طالب التولیۃ لا یولی جو خود حکومت کی درخواست کرے اس کو حاکم نہ بنایا جائے۔

اس پر اگر کوئی کہے کہ جب اصل قانون یہ ہے کہ خود حکومت کی درخواست کرنا درست نہیں اور ہر شخص اس پر عمل کر کے کوئی بھی درخواست نہ کرے اور جو درخواست کرے وہ حاکم نہ بنایا جاوے اور دوسروں کو اس کی اہلیت وصلاحیت کی اطلاع نہ ہو تو پھر دنیا کا انتظام کس طرح ہو۔

(۱) کسی محقق کے حکم اور اجازت سے اس منصب کو قبول کرنا چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایک استثناء ہے وہ یہ کہ اگر کوئی کام ضروری ہو اور کوئی اہل موجود نہ ہو اور ظاہراً یہ شخص اس کا اہل ہے اور اس کو امید ہے کہ میں کام کرسکتا ہوں ایسے شخص کو درخواست کرنا درست ہے۔ دلیل اس کی حضرت یوسف d کا قصہ ہے کہ جب بادشاہ نے ان سے کہا تھا کہ اتنا بڑا کام یعنی قحط عام کا انتظام کون سر دھرے (۱) تو انہوں نے فرمایا کہ میں کرسکتا ہوں چنانچہ ان کا مقولہ یہ ہے کہ

اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم یعنی مجھ کو ملک کے غلہ کے خزانوں پر مقرر کردیجئے میں اس کی خوب نگرانی کروں گا۔ میں اس کے طریقوں کو جانتا ہوں۔

تو گو اس موقع پر یوسف d اپنی تعریف خود کررہے ہیں کہ میں ایسا ہوں اور ایسا ہوں لاؤ حکومت مجھ کو دے دو مگر آپ کو یہ یقینی طور سے معلوم تھا کہ یہ کام ضروری اور عظیم الشان ہے اور انتظام کا اہل کوئی ہے نہیں۔ اس لئے آپ نے اس موقع پر تواضع سے کام نہیں لیا ورنہ ساری مخلوق تباہ ہوجاتی بلکہ آپ نے اظہار نعمت کے طور پر اپنے واقعی اوصاف بیان فرمادیئے تاکہ بادشاہ کو پورا اطمینان ہو جاوے کہ ہاں یہ کام آپ خوب کرسکتے ہیں۔ آپ کو بھروسا تھا کہ میں اس کام کو بخوبی کرسکتا ہوں اس لئے آپ نے خود درخواست کی پس اگر کسی زمانہ میں کسی شخص کو اپنی نسبت یہ معلوم ہو کہ میں اپنے بھائیوں کو راحت پہنچا سکتا ہوں اور مخلوق اگر کسی دوسرے کے قبضہ میں پہنچے گی تو راحت نہیں مل سکتی اور اس کو بھروسہ ہو کہ میں آرام پہنچا سکتا ہوں اور شریعت کے موافق حکومت وانتظام کرسکتا ہوں اور اس کو مال و جاہ کی (۲) بالکل پرواہ نہ ہو، تو ایسے شخص کو اب بھی حکومت کی درخواست کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے۔ اور ہمارے نزدیک عالمگیر m کا اپنی سلطنت کے لئے سعی کرنا بھی اسی وجہ سے تھا یا یہ صورت ہو کہ کوئی حاکم نہ ہو تو غیر قوم سے ہوجائے گا

(۱) کون سنبھالے (۲) مال وقدر ومنزلت۔

اور اس صورت میں مسلمانوں کی بری گت بنائی جائے گی تو درخواست کرنا حکومت کی اس صورت میں بھی جائز ہے مگر اس میں بھی دو شرطیں ہیں۔

ایک یہ کہ مال مقصود نہ ہو۔ دوسرے جاہ مقصود نہ ہو۔

یہ اور بات ہے کہ مال و جاہ از خود حاصل ہو جائے مگر مقصود نہیں۔

نااہلوں کے فیصلے

لیکن اب تو یہ کیفیت ہے کہ مال و جاہ ہی مقصود ہو گئے ہیں۔ حق و ناحق سے بھی کچھ بحث نہیں رہی، نہ اہلیت و عدم اہلیت سے۔

چنانچہ ایک حکایت ہے کہ ایک جاہل بدلیاقت آنریری مجسٹریٹ ہو گئے تھے بوجہ عدم لیاقت کے حیران تھے کہ فیصلے کیسے کروں گا۔ فیصلہ کا طریقہ دیکھنے کسی حاکم کے اجلاس میں پہنچے اور اتفاقاً اس حاکم کے پاس دو شخصوں نے اپنی اپنی عرضیاں پیش کیں۔ حاکم نے ایک کو کہہ دیا منظور اور دوسری کو کہا نامنظور۔ آپ نے اپنے دل میں کہا کہ یہ تو بڑا آسان کام ہے۔ جب یہ اپنے اجالس میں بیٹھے بہت سی عرضیاں پیش ہوئیں آپ نے کیا کیا کہ ایک کو منظور اور ایک کو نامنظور کرنا شروع کر دیا طاق سلسلہ میں تو منظور اور جفت (۱) میں نامنظور۔ بعض لوگ قیاسی فیصلہ کر دیتے ہیں جیسے بعضے مدرس کیا کرتے ہیں کسی طالب علم کا خط اچھا دیکھا لیا بس اور باتوں میں بھی اس کو پاس کر دیا اس میں بڑی خیانت ہوتی ہے حضرت ساری خرابی اس کی ہے کہ کام نااہلوں کو سونپ دیا گیا ہے اگر کوئی کام کسی کے سپرد کیا جاوے تو اس کی لیاقت اس کو ہونا چاہئے۔

حضور ﷺ کی بدنی قوت

حکومت میں بڑی مشقت اور دلسوزی کرنی پڑتی ہے یہ آسان کام نہیں ہے۔

(۱) جو درخواست اس نمبر پر پیش ہو جو برابر تقسیم نہ ہو سکے جیسے تین تو منظور برابر تقسیم ہو سکے جیسے چار تو نامنظور۔

حاکم اگر قصد کرے مخلوق کی نفع رسائی کا تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے تمام کاموں میں مدد ہوتی ہے مگر دلسوزی کی ضرورت ہے میں تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں مشائخ کو بھی اطباء کو بھی، عہدہ داروں کو بھی، کہ دوسروں کو وہی شخص راحت پہنچا سکتا ہے جو اپنے اوپر تکلیف اٹھائے اور جو شخص خود آرام طلب ہوگا وہ شخص دوسروں کو آرام نہیں پہنچا سکتا۔

حضور ﷺ سے زیادہ کون محبوب ہوگا آپ کے ساتھ صحابہ j کی یہ جان نثاری تھی کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون گرانے کو تیار تھے۔ آپ ﷺ کی ذراسی تکلیف بھی ان کو گوارا نہ تھی مگر بایں ہمہ(۱) آپ کو دوسروں کو راحت رسانی(۲) کی کتنی فکر رہتی تھی اس کو احادیث سے معلوم کرو۔

ایک دفعہ سفر میں اونٹ کم تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب باری باری اترتے چڑھتے چلو۔ اور سب سے پہلے اس قانون پر حضور ﷺ نے عمل کیا ہر چند صحابہ j نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نہ اتریں مگر حضور ﷺ نے نہ مانا اور فرمایا کہ تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں تم سے زیادہ ثواب سے مستغنی نہیں۔ ثواب کی حاجت مجھ کو بھی ہے (کہ پیادہ چلوں اور ثواب ملے) اور میں کچھ کمزور نہیں کہ چل نہ سکوں۔

آپ کے قوی ظاہری بھی سب سے اچھے تھے آپ ﷺ میں تو سب ہی کمال کی صفتیں تھیں۔ آپ کی تو شان یہ تھی۔

حسن یوسف دم عیسیٰ d ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

''آپ ﷺ حسن یوسف d، دم عیسی d اور ید بیضا رکھتے ہیں جو تمام اوصاف انبیاء رکھتے ہیں وہ سب آپ میں موجود ہیں''

حضور ﷺ کی جسمانی قوت کا یہ حال تھا کہ عرب میں ایک پہلوان تھا رکانہ نامی جو کہ ایک ہزار آدمیوں کا مقابل سمجھا جاتا تھا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اس نے کہا کہ میں ایک شرط سے مسلمان ہوتا ہوں کہ آپ ﷺ مجھ کو کشتی

(۱) اس سب کے باوجود (۲) دوسروں کو آرام پہنچانے کی۔

میں بچھاڑ دیں۔ بھلا کہاں حضور ﷺ اور کہاں کشتی! آپ ﷺ نے کشتی کی کہاں تعلیم پائی تھی۔ مگر آپ نے فرمایا اچھا چنانچہ کشتی ہوئی اور آپ ﷺ اس پر غالب آئے۔ اس نے کہا ایک دفعہ نہیں بلکہ دوبارہ پھر کشتی ہو، اگر یہ پچھاڑنا اتفاقاً ہوتا تو حضور ﷺ دوبارہ ہرگز منظور نہ فرماتے مگر دوبارہ پھر کشتی ہوئی اور حضور ﷺ اس دفعہ بھی اس پر غالب آئے وہ مسلمان ہوگئے اور سمجھ گئے کہ واقعی آپ ﷺ مؤید من اللہ ہیں (۱)۔

غرض حضور ﷺ میں بدنی قوت بھی بہت تھی۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا میں کمزور نہیں پیادہ چلوں گا۔ غرض آپ ﷺ دوسروں کی راحت کے لئے خود تکلیف برداشت فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی وراثت میں یہی رنگ حضرات صحابہ j کا تھا۔

دیکھئے جب حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ شریف پہنچے تو آپ ﷺ جس وقت مجلس میں تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکر صدیق h بھی خدمت میں حاضر تھے لوگ زیارت کو آتے تھے چونکہ حضرت ابوبکر h ذرا زیادہ بوڑھے معلوم ہوتے تھے لوگوں کو حضرت صدیق h کی صورت دیکھ کر یہ گمان ہوا کہ حضور ﷺ یہ ہوں گے۔ اس لئے ان سے مصافحہ کرتے رہے اور حضرت صدیق h نے بھی یہ نہیں کہا کہ مجھ سے نہیں بلکہ حضور ﷺ سے مصافحہ کرو۔ کیونکہ اس سے حضور ﷺ کی راحت میں خلل پڑتا۔ جب ذرا آفتاب بلند ہوا اور دھوپ آئی تو صدیق اکبر h چادر تان کر آپ پر سایہ کرنے کی غرض سے کھڑے ہوگئے اس وقت لوگوں کو پتہ چلا کہ حضور ﷺ آپ ہیں۔ دیکھئے ابوبکر h نے آپ ﷺ کو مصافحہ کی بھی تکلیف نہیں ہونے دی مصافحہ کی تکلیف کو خود گوارا کرلیا۔ یہ حضرت صدیق h کا غایت ادب تھا کہ آپ وقایہ ہوگئے (۲) حضور ﷺ کے کہ آپ ﷺ کو تکلیف نہ پہنچے۔

غرض حضور ﷺ بھی خود پیدل چلے اور فرمایا کہ میں قوت میں کم نہیں پھر کیوں نہ پیادہ چلوں کہ ثواب ملے۔ غور کیجئے کہ حضور ﷺ تو اپنے کو اتنا محتاج بنانا

(۱) آپ کو اللہ کی تائید حاصل ہے (۲) حضور ﷺ کو تکلیف سے بچانے کا ذریعہ ہوگئے۔

چاہتے ہیں خدا تعالیٰ کا (کہ ذرا ذرا سے ثواب کے طالب ہیں) مگر بعض لوگوں کی آج کل یہ حالت ہے کہ آپ ﷺ کو خدائی کے رتبہ تک پہنچانا چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے لئے وہ اوصاف ثابت کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے خاص اوصاف ہیں (مثلاً علم غیب محیط کو آپ ﷺ کے لئے ثابت کرتے ہیں)۔

حضور اکرم ﷺ کا اصلی مذاق

حضور ﷺ کا مذاق نہیں دیکھتے کہ میں خدا تعالیٰ کا محتاج رہوں اور مجھے ثواب ملا کرے حضرت عاشق کی شان یہی ہوتی ہے کہ اس کو کسی حالت پر بس نہیں ہوتی اس کی تو یہ کیفیت ہوتی ہے۔

دلارام در بر دلارام جوئے لب از تشنگی خشک و برطرف جوئے
نگویم کہ بر آب قادر نیند کہ بر ساحل نیل مستقی اند(۱)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ حضور ﷺ ثواب کے طالب ہوئے خدا کے طالب نہ ہوئے اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جس چیز کو مطلوب قرار دے دیں گے عاشق کو اس کی بھی طلب ہوگی اور وہ خدا ہی کی طلب ہے اور اس لئے اس کو ان چیزوں کی رغبت کرنا بھی لازم ہے چنانچہ ارشاد ہے ﴿وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ ''اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی بہت حرص کرنا چاہئے'' عشاق کا یہی مذہب ہے اسی کو فرماتے ہیں۔

چوں طمع خواہاں زمن سلطان دیں خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

''جب دین کا بادشاہ مجھ سے طمع کو اظہار کرے تو پھر ایسی قناعت پر خاک''

پس جب حضور ﷺ ثواب حاصل کرنے کے لئے پیدل چلتے ہیں تو اب

(۱) دل کا سکون دروازے پر ہے اور سکون دل کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ پیاس سے ہونٹ خشک ہو رہے ہیں اور ندی کے کنارے بیٹھا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ پانی کے حصول پر قادر نہیں بلکہ دریائے نیل کے ساحل پر ہونے کے باوجود پیاسا ہوں۔

کون شخص ہے جو حضور ﷺ سے زیادہ ہو مگر آج کل لوگ اپنے کو بڑا بنانا چاہتے ہیں اور یہی دلیل ہے کہ بڑے بننے کے لائق نہیں اور اسی پر متفرع ہوتا ہے(۱) کہ منصب حکومت ہر شخص کے مناسب نہیں بلکہ اس شخص کے لئے جائز ہے کہ اپنے کو تکلیف اور دوسروں کو راحت دینا چاہتا ہو۔

جاہ طلبی

بہرحال جاہ کی دو قسمیں ہوئیں۔ ایک: یہ کہ دوسرے کی جانب سے حاصل ہو خواہ من جانب المخلوق ہو یا من جانب الخالق(۲) اور دوسری قسم: یہ ہے کہ اپنی جانب سے ہو پس جو اپنی جانب سے ہو اس طرح کہ اس کے ذرائع خود بہم پہنچائے جائیں وہ بجز خاص حالات کے ناجائز ہے مگر آج یہ کیفیت ہے کہ عوام الناس سے ممبری وغیرہ کی درخواست کی جاتی ہے کہ ہمارے واسطے پرچہ دینا(۳) پرچوں کے واسطے تیری میری خوشامد کرتے پھرتے ہیں۔ بعض لوگ اس کے لئے مال بھی خرچ کرتے ہیں رشوتیں دیتے ہیں خوب سمجھ لو کہ اس میں برکت نہیں ہوتی اور خدا کی مدد بھی نہیں ہوتی البتہ اگر کسی کو بلا طلب کوئی عہدہ مل جائے تو اس کو خدا کی مدد ہوتی ہے۔

امام صاحب کا عہدہ قضاء سے انکار

امام ابوحنیفہ m کو قضا کا عہدہ ملتا تھا مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔ حتی کہ جیل خانہ میں بھیجے گئے۔ دیکھئے آپ کو اس قدر نفرت تھی قضا سے اور عجیب لطیفہ یہ ہوا کہ خلیفہ جعفر بن منظور نے اس جبر حاکمانہ(۴) کے ساتھ آپ سے عالمانہ مباحثہ بھی کیا۔ اس طرح سے کہ جب آپ سے منصب قضا قبول کرنے کے لئے کہا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اس لائق نہیں ہوں بادشاہ نے کہا کہ آپ جھوٹ کہتے ہیں اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو جھوٹ بولنے والا بھی حکومت کے لائق

(۱) ایسی قاعدے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے (۲) چاہے مخلوق کی طرف سے ہو یا خالق کی طرف سے (۳) ووٹ دینا (۴) حاکمانہ ظلم کے ساتھ۔

نہیں ہوتا۔ تمام دربار میں اس جواب سے سناٹا ہوگیا اور کسی سے جواب نہ بن پڑا۔

آج کل عہدے کی طلب

صاحبو! ہمارے سلف تو اتنا ڈرتے تھے قضا اور حکومت سے مگر آج اس کی درخواست کی جاتی ہے اور اس کے لئے ذرائع پیدا کئے جاتے ہیں کہیں سفارش کرائی جاتی ہے کہیں دباؤ ڈالا جاتا ہے سو ان ذرائع کا استعمال جائز نہیں ہاں اگر من جانب اللہ مل جاوے تو خیر مگر بے عزتی کیوں اختیار کی جائے۔ (وہ یہ کہ لوگوں کی خوشامد کی جاوے اور مال خرچ کیا جاوے سو بکھیڑے کئے جائیں) اس وقت تو یہ حالت ہو رہی ہے کہ ایک شخص کا نمبر بھی مقدم ہے اور وہ غریب حاجت مند بھی ہے مگر پھر بھی دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں عہدہ کے لئے درخواست کرتا ہے حالانکہ قابلیت میں بھی اس کے برابر نہیں اور نہ غریب محتاج ہے مگر پھر یوں ہیں کہ عہدہ ہم کو ہی ملنا چاہیے کیونکہ ہم زمیندار ہیں اور اس کے پاس کچھ بھی نہیں حالانکہ یہی وجہ دوسرے کے استحقاق اور اس کے عدم استحقاق کی تھی۔

جو لوگ آج کل ہمدردی کا دعویٰ کرتے ہیں کیا وہ اس کی کوئی نظیر پیش کر سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنی درخواست کو اپنے بھائی کے مقابلہ میں منسوخ کرادیا ہو اور ایثار اور ہمدردی سے کام لیا ہو۔ غالباً وہ ایسی ایک نظیر بھی پیش نہیں کر سکتے وجہ اس کی صرف یہی ہے کہ ان کو صرف مال و جاہ مقصود ہے اور کچھ نہیں زبان پر ہمدردی کے الفاظ ہی الفاظ ہیں۔ حقیقت کچھ نہیں آج کل ہمدردی کیا ہمہ دردی ہے (۱) جس میں خلوص کا پتہ ہی نہیں۔

خلوص کا امتحان

حضرت علی خواص m فرماتے ہیں کہ اگر کسی جگہ کوئی عالم ہو اور دین کا کام کر رہا ہو اور سمجھتا ہو کہ میں یہ کام ثواب کے لئے کر رہا ہوں یا کوئی پیر ہو اور وہ تربیت باطنی کر رہا ہو اور دل میں یہ سمجھتا ہو کہ میں دین کے لئے یہ کام کر رہا ہوں۔ ان دونوں کو ایک علامت سے اپنے خلوص کا امتحان کرنا چاہیے وہ علامت یہ ہے کہ

(۱) سراپا تکلیف ہی تکلیف ہے۔۔

اگر اس کے مقابلہ میں دوسرا شخص آجاوے اور وہ بھی اس جیسا یا اس سے اچھا کام کرسکتا ہو تو دیکھنا چاہئے کہ یہ شخص کام کو اس کے سپرد کرتا ہے یا نہیں اگر اس کے سپرد کردے اور خود اس کام سے الگ ہوجائے اور کسی دوسرے کام میں لگ جاوے تو وہ مخلص ہے اور اگر اسی فکر میں ہو کہ یہ کہاں سے آمر انکلواؤ اس کو تو مخلص نہیں ریا کار ہے۔

اسی طرح جاہ و مال کے مقصود نہ ہونے بلکہ خدمت خلق مقصود ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر یہ دیکھو کہ ہمارا بھائی ہم سے اچھا کام کرے گا تو تم کوشش چھوڑ دو تا کہ وہ دوسرا شخص اس منصب پر فائز ہوجائے دوسرے کو بنانا یہ ہے کہ خود اس کام سے الگ ہوجاؤ اور جو شخص ایسا ہوگا وہ اپنی میعاد ملازمت بڑھانے کے لئے یا عہدہ حاصل کرنے کے لئے ڈاکٹری سرٹیفکیٹ کیوں حاصل کرے گا مگر آج کل تو اس حکومت منصب کے لیے روپیہ خرچ کرکے ڈاکٹری سرٹیفکیٹ حاصل کئے جاتے ہیں یہ صاف علامت ہے اس کی کہ خدمت خلق مقصود نہیں بلکہ جاہ و مال مقصود ہے یہاں تک تو جاہ کے حاصل کرنے کی تفصیل تھی۔

جاہ کا مصرف

اب باقی رہا جاہ کے صرف اور استعمال کرنے کا قاعدہ کہ جاہ کہاں صرف کی جاتی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ صرف جاہ(۱) کے مواقع مختلف ہیں اور ہر ایک کا جدا حکم ہے(۲) اور اس کے متعلق شرعی قاعدہ یہ ہے کہ جہاں استعمال جاہ سے دوسرے شخص کی منفعت(۳) مقصود ہو یعنی جس دوسرے پر جاہ کا اثر ڈالا جارہا ہو اور اس منفعت کی تحصیل اور اس شخص پر واجب ہے تو اس صورت میں جاہ سے کام لینا جائز بلکہ واجب ہے۔ مثلاً ایک شخص نماز نہیں پڑھتا اور ہم اپنی جاہ کے اثر سے اس کو نماز پڑھنے پر مجبور کرسکتے ہیں تو اس موقع پر صرف جاہ واجب ہے(۴) حاکم

(۱) اقتدار کو استعمال کرنے کے مواقع (۲) الگ (۳) فائدہ (۴) اپنے مرتبہ اور اقتدار سے کام لینا واجب ہے۔

اپنے ملازموں سے بادشاہ اپنی رعایا سے نماز پڑھوا سکتا ہے۔ استاد شاگردوں سے، شوہر بیوی سے، باپ اولاد سے حکمت کے ساتھ یہ کام لے سکتا ہے تو ان لوگوں پر واجب ہوگا کہ اپنی جاہ سے کام لیں اور ماتحتوں سے نماز پڑھوائیں۔

ایک صورت اس کے مقابل یہ ہے کہ استعمال جاہ سے دوسرے کی مصلحت مقصود نہیں بلکہ اپنی ہی منفعت مقصود ہے اس صورت میں جاہ سے کام لینا جائز نہیں۔ جیسے رئیسوں کی عادت ہوتی ہے کہ ریل پر جانے کو تانگہ منگایا اب اس سے اجرت طے نہیں کرتے ویسے ہی تانگہ میں سوار ہو لیتے ہیں اسٹیشن پر پہنچ کر ایک آنہ دو آنہ اس کے ہاتھ پر رکھ دیتے ہیں۔ وہ غریب ان کی جاہ (۱) کی وجہ سے کچھ نہیں کہتا یہ صورت حرام ہے بلکہ یا تو ابتداء میں اجرت طے کرو یا عرف عام کے موافق اس کو پوری اجرت دو۔

اسی قبیل کی ایک صورت یہ ہے کہ تحصیلدار صاحب، تھانیدار صاحب کسی جگہ پہنچے اور لوگوں نے ان کے واسطے سواری خود ہی پیش کر دی ظاہر میں یہ ہدیہ کی صورت ہے مگر حدیث میں حکام کو رعایا سے ہدایا لینے کی ممانعت ہے اور شریعت کا فتویٰ ہے ھدایا الامراء غلول (۲) ہاں اگر کسی کا تعلق آپ کے ساتھ پہلے سے دوستی یا قرابت کا ہو کہ وہ پہلے بھی آپ کو ہدیہ دیا کرتا ہو، تو ایسے شخص کا ہدیہ لینا حکومت کے بعد بھی جائز ہے کیونکہ اس صورت میں یہ ہدیہ جاہ سے نہیں آیا بلکہ چاہ سے (۳) یعنی محبت سے آیا ہے غرض شریعت نے صاحب جاہ کو زور ڈالنے کی اجازت نہیں دی۔ ہاں خوش دلی سے محبت سے کوئی ان کی خدمت کرے تو اس کا مضائقہ نہیں مگر محبت اور خوش دلی کو پہچاننے کی سخت ضرورت ہے کہ حکام سے محبت لوگوں کو کم ہوتی ہے خوف اور غرض کا تعلق زیادہ ہے۔ اس لئے حکام کو سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

(۱) ان کے بلند مرتبہ کی وجہ سے (۲) امراء کو دئے جانے والے ہدیے ناجائز ہیں (۳) محبت سے

اساتذہ کا طلباء سے برتاؤ

اور ان ہی حکام میں میانجی لوگ (۱) بھی داخل ہیں جو اپنے اثر کو بے جا محل میں صرف کرتے ہیں یہ لوگ خوب کان کھول کر سن لیں کہ شاگردوں سے ہر قسم کی خدمت لینا ان کو جائز نہیں۔

مثلاً شاگردوں سے کہتے ہیں کہ ذرا پانی پلا دینا، ذرا پنکھا جھل دینا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت سخت کام شاگردوں سے لیتے ہیں اور مقصود محض استخدام (۲) ہوتا ہے بھلا یہ لوگ کس معاوضہ میں شاگردوں سے کام لیتے ہیں۔ کیا پانی پلانے کے عوض میں ان کو شاگرد بنایا تھا۔ ان صورتوں میں بھی ایسے شخص سے کام لیا گیا ہے جس سے کام لینا جائز نہیں ہاں مصلحت تادیب (۳) سے جائز ہے بشرطیکہ غرض بھی تادیب ہو نہ کہ اپنے آپ کو راحت پہنچانا بلکہ مقصود یہ ہو کہ شاگرد کو کام کا سلیقہ آجاوے اور اس کے لئے بھی ولی سے اجازت لینا شرط ہے اور ولی کے واسطے یہ قانون ہے کہ جس میں اس شاگرد کی مصلحت ہو اس کی اجازت دینا ولی کو جائز ہے جب ایسی صورت ہو تو بے شک استاد کو شاگرد سے کام لینا جائز ہے نہ یہ کہ اپنی راحت کے لئے ٹھنڈی ہوا پنکھے سے کرا رہے ہیں۔ اس بیچارہ کو کئی کئی گھنٹے پنکھا جھلتے (چلاتے) ہو جاتے ہیں نہ پڑھتے ہیں نہ یاد کرتے ہیں۔ گھنٹوں ان سے پاؤں دبواتے ہیں بڑی بڑی خدمتیں لیتے ہیں۔ ایسا تصرف کرنے کا تو خود ولی کو بھی اختیار نہیں۔ پھر جس کو ولی سے اجازت لینے کی بھی ضرورت ہو اس کو تو ایسا تصرف کرنا کب جائز ہوگا۔ بس استاد تو آج کل بچوں کو اپنی ملک سمجھتے ہیں جیسے غلام جہلاء، یوں کہتے ہیں کہ جان خدا کی اور ہڈیاں ماں باپ کی اور گوشت استاد کا۔ خوب سمجھ لو کہ استاد کو شاگرد پر حق ملک نہیں ہے بلکہ اس کے لئے شریعت میں خاص حدود ہیں۔

(۱) اساتذہ حفظ (۲) خدمت لینا (۳) ادب سکھانے کی غرض سے۔

میاں جی لوگوں کی یہ حالت ہے کہ بی بی پر تو خفا ہو کر آئے اور بچوں پر غصہ نکالا اور قمچی بجانی(۱) شروع کر دی ایسے ظالموں کو شاگرد بھی ایسے ہی مل جاتے ہیں۔ جو درحقیقت ان کی عقوبت ہیں (۲) چنانچہ ان میں بعض طلباء تو وہ ہیں جن میں ادب ہی نہیں ہوتا استادوں کا، جیسے تعلیم جدید کے طلباء ہیں کہ وہ استاد کو ستاد ہی نہیں سمجھتے بلکہ اسکول کا نوکر سمجھتے ہیں اور بعض شریر لڑکے ایسے ہوتے ہیں کہ ظاہر میں تو ادب کرتے ہیں مگر دل سے ادب نہیں کرتے اور بعض استادوں سے خیانت بھی کرتے ہیں۔

چنانچہ لوہاری میں ایک میانجی تھے لڑکے ان کی چیزیں چرا کر کھا جاتے ان کے پاس کسی جگہ سے بہت سے بتاشے آئے تھے۔ انہوں نے لڑکوں سے بچانے کے لئے ایک بدھنے میں ان کو بھر کر اوپر سے چینی کی پلیٹ ڈھانک (۳) کر آٹا لگا دیا لڑکوں نے کمیٹی کی کہ کسی طرح بتاشے کھانے چاہئیں۔ مگر اس میں حیران تھے کہ کیا تدبیر کریں کیونکہ لوٹے کے منہ کو آٹا لگا ہوا ہے آخر یہ رائے ہوئی کہ اس میں ٹوٹنی سے پانی بھر کر شربت بنا کر پی جاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا کئی روز کے بعد میانجی صاحب کا بتاشے کھانے کو جی چاہا بدھنی (۴) منگوا کر جو کھولی بالکل میدان صاف سوا ایسوں کو ایسے ہی مل جاتے ہیں۔

غرض یہ میانجی لوگ بہت ہی ظلم کرتے ہیں بچوں پر حالانکہ ظلم کرنا کسی پر بھی ہو حرام ہے خاص کر عاجز بچوں پر اگرچہ باپ بھی اجازت دے دے۔ پھر غضب یہ کہ قصور تو ہو کسی کا اور ایک طرف سے سب کو گھڑنا شروع کر دیتے ہیں (۵)۔ غصہ میں ان کو خبر نہیں رہتی کہ کون قصوروار ہے اور کون بے قصور ہے کوئی مقدمہ ہوتا ہے تو بلا تحقیق سب کو مارنا پیٹنا شروع کر دیتے ہیں اور مارتے اس قدر ہیں جس کی انتہا نہیں ہے۔

حکام اور میاں جی کے لئے دستور العمل

میں عہدہ داروں کو بھی اور میاں جی کو بھی ظلم سے بچنے کا ایک دستور العمل

(۱) سوٹی سے مارنا شروع کر دیا (۲) جو ان کی سزا ہیں (۳) اس کے اوپر پلیٹ رکھ کر منہ بند کر دیا (۴) لوٹا منگا کر جب کھول کر دیکھا (۵) پٹائی شروع کر دیتے ہیں۔

بتلاتا ہوں وہ یہ کہ غصہ میں کسی مقدمہ کا فیصلہ نہ کیا کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو یہی سکھلایا ہے۔

لا یقضی القاضی وھو غضبان ''کہ قاضی کو چاہیے کہ غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے''

میاں جی وغیرہ کو بھی چاہیے کہ غصہ میں نہ ماریں جب غصہ آئے تو خاموش ہوجائیں جب غصہ اتر جائے تو غور کریں کہ کتنی سزا دینی چاہیے اور ہر جرم پر تھپڑ یا قمچیوں کا عدد مقرر کرلیں یہ نہیں کہ بے طرح مارنا شروع کردیا خواہ ہاتھ ٹوٹے یا ٹانگ کہ جو شخص اس دستورالعمل کا لحاظ رکھے گا اس کے ہاتھ سے ظلم نہ ہوگا۔

اب رئیسوں کی کیفیت سنئے کہ ذرا ملازم نے تین پانچ(۱) کی اور ان کو غصہ آیا اور لگے اس پر بے بھاؤ(۲) جوتے پڑنے بلکہ ملازم تک بھی محدود نہیں ہے۔ بے تعلق لوگوں پر بھی ظلم سے نہیں رکتے۔

ہمارے یہاں کا قصہ ہے ایک شخص رئیس تھے اور بڑے متکبر ایک غریب قوم کے آدمی ہمارے حضرت حاجی صاحب m کے مریدان کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ صاحب سفید کپڑے پہنے ہوئے آرہے تھے۔ وہ رئیس صاحب بھی راستہ میں بیٹھے تھے ان کو دیکھ کر بہت ہی ناگوار ہوا کہ اس نے بھی ہمارے جیسے صاف کپڑے پہنے ہیں لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ معلوم ہوا کہ قصائی ہے اور حاجی صاحب m کا مرید ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حاجی صاحب نے ہی اس کا دماغ خراب کیا ہے بڑے ولی ہوگئے بس اس غریب کو پاس بلا کر پانچ جوتے لگائے اس بیچارے نے کہا کہ شیخ جی خدا کے یہاں جا کر اس کا مزہ چکھو گے۔ یہ بات سن کر آپ کو اور مسخرہ پن سوجھا کہ آپ نے اس کے سامنے جوتا رکھ دیا کہ تو اب میرے مارلے۔ اس نے کہا، میری کیا مجال ہے جو ایسی گستاخی کروں تو آپ کیا کہتے ہیں کہ اب تو سمجھ میں آگیا ہوگا

(۱) کوتاہی کی (۲) بے تحاشہ مارنا شرور کردیا۔

کہ ہمیں خدا تعالیٰ کا ہی حکم ہے کہ تمہارے جوتے لگائیں جس کی دلیل یہ ہے کہ ہم نے تو بلا اجازت بھی تم کو مار لیا اور تم اجازت سے بھی ہم کو نہیں مار سکے اور تمہیں حکم نہیں۔

پھر اس ظلم کا سبب کیا تھا صرف تکبر یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا کہ یہ قصائی ہے اور ہم شیخ ہیں میں کہتا ہوں کہ سب خدا تعالیٰ کے بندے ہیں خواہ قصائی ہوں یا اور کوئی ہو ان باتوں کے انسداد کا طریقہ یہی ہے کہ بے وجہ کسی پر غصہ مت کرو اور غصہ میں فیصلہ مت کرو۔

نسب اور فخر

نسب پر یا منصب پر فخر کرنا چھوڑ دو آخرت میں اس کو کون پوچھتا ہے خوب فرماتے ہیں۔ حضرت علی h۔

الناس من جهة التمثال اكفاء ابوهم آدم والام حواء

''لوگوں کے لئے یہ مثال کافی ہے کہ ان کے والد حضرت آدم d ہیں اور اماں حضرت حوا علیہا السلام'' جس کی نسبت فرماتے ہیں:

ما الفضل الا لاهل العلم انهم على الهدى لمن استهدى اولاء

''فضیلت سوائے اہل علم کے کسی کو نہیں جو ہدایت پر ہیں اور جو ہدایت طلب کرے''

ہاں شرافت نسبی بھی خدا تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اگر کوئی شریف النسب ہو تو خدا تعالیٰ کا شکر کرے۔ نہ یہ کہ جس کے پاس نعمت نہیں اس پر ظلم کرے، بلکہ اس نعمت کے شکر میں تو چھوٹوں کے ساتھ احسان کیا کرو''

ایک رئیس صاحب تھے، ان کا برتاؤ چھوٹوں کے ساتھ دیکھئے کہ ایک بھنگن ان کے گھر کمانے آئی بچی کو ایک جگہ بٹھلا کر کام میں لگ گئی بچی رونے لگی تو انہوں نے بے تکلف اس کو گود میں اٹھالیا حالانکہ بھنگن کی بچی تھی جو لوگ واقعی شریف ہیں ان میں شرافت سے تواضع پیدا ہوتی ہے غرور پیدا نہیں ہوتا یہ سب صورتیں تھیں جاہ کے استعمال کی۔

حصول چندہ میں احتیاط

ان ہی میں ایک صورت جاہ سے کام لینے کی چندہ کے بارے میں اثر سے کام لینا بھی ہے اس میں دوصورتیں ہیں ایک یہ کہ جس پر ہم زور ڈال رہے ہیں اس پر شرعاً انفاق واجب ہے(۱)۔ مثلاً ایک شخص کے ذمہ زکوٰۃ ہے اور ہم اس پر اثر ڈال سکتے ہیں تو ہمارے ذمہ واجب ہے کہ اس پر ایسا اثر ڈالیں کہ زکوٰۃ ادا کرے مگر یہ زور ڈالنا حرام ہے کہ فلاں مدرسہ میں یا فلاں انجمن ہی میں دو۔

ایک صورت یہ ہے کہ جس پر ہم چندہ کے لئے زور ڈال رہے ہیں اس پر انفاق واجب نہیں(۲) اور جس کام کے لئے چندہ کیا جارہا ہے وہ کسی خاص شخص کے ذمہ نہیں بلکہ واجب علی الکفایہ ہے تو اس میں اثر اور جاہ سے کام لینا جائز نہیں خواہ چندہ کسی مدرسہ کے لئے ہو یا قومی کام کے لئے یا مسجد کے لئے دلیل اس کی یہ ہے۔

لایحل مال امرأ مسلم الا بطیب نفس منه ''کہ کسی مسلمان کا مال لینا حلال نہیں مگر اس کی خوش دلی سے ہے''

میاں بی بی کے علاقہ(۳) کو سب جانتے ہیں کہ کیسا کچھ ہوتا ہے کہ دونوں میں تعشق کا علاقہ(۴) ہوتا ہے مگر اس کے بارے میں بھی حق تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا﴾ اگر وہ خوشی سے مہر کا کچھ حصہ معاف کردیں تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

یعنی بی بی کا اتنا کہہ دینا کہ میں نے مہر معاف کردیا کافی نہیں بلکہ خوشی سے معاف کرنا معتبر ہے۔ دیکھئے میاں بی بی کا ایسا تو علاقہ مگر وہاں بھی یہ حکم ہے کہ ظاہری معافی کافی نہیں ہے یہ بھی دیکھ لو کہ ایسے قرائن بھی موجود ہیں جن سے اس کی خوش دلی پائی جاتی ہو، تو دوسروں کے عطایا میں تو اس کا لحاظ بہت ہی زیادہ ضروری ہوگا پس چندہ

(۱) اللہ کی راہ میں دینا واجب ہے (۲) اس کے ذمہ صدقہ کرنا واجب ہی نہیں ہے (۳) میاں بیوی کے تعلق کو (۴) عشق کا تعلق ہوتا ہے۔

میں اس کا بہت ہی خیال کرنا چاہیے۔

مثلاً ہم ایک شخص سے چندہ مانگنے گئے اور اس نے مجمع میں ہم کو دو روپے دیئے اور ظن غالب یہ ہے کہ اگر ہم اس سے خلوت میں مانگتے تو ایک ہی روپیہ دیتا اس صورت میں ایک روپیہ تو حلال ہے اور ایک روپیہ حرام ہے ہمارے کہنے سے تو اس نے ایک روپیہ دے دیا اور اگر اسی کام کے لئے دوسرا کہتا ہے تو کچھ نہ دیتا تو اس صورت میں ایک روپیہ بھی جائز نہیں۔

باطنی تصرف

اسی طرح اگر کوئی درویش باطنی تصرف سے کسی کے قلب میں یہ خیال ڈال دے کہ فلاں شخص کو ایک ہزار روپیہ دے دو تو اس کا لینا بھی حرام ہے لوگ اس کو کمال سمجھتے ہیں مگر یہ صورت حرام ہے کہ باطنی تصرف سے کسی کا مال لیا جاوے۔ تجربہ ہے کہ ایسی صورت میں آدمی دب کر کچھ دے دیتا ہے پھر بعد میں پچھتاتا ہے یہ اس کی علامت ہے کہ خوش دلی سے نہیں دیا تھا۔

تصرف باطنی کا حکم

ایک مسئلہ یاد آ گیا اثر باطنی کے متعلق وہ یہ کہ بعض لوگ بددعا کیا کرتے ہیں کہ فلاں شخص ہلاک ہو جاوے۔ تو اگر کسی نے کسی کے واسطے بددعا کی اور وہ اتفاق سے مر گیا تو اس کا کیا حکم ہے۔ تفصیل اس میں یہ ہے کہ یہ بددعا کرنے والا صاحب تصرف ہے یا نہیں اگر واقعات سے اس کو اپنا صاحب تصرف نہ ہونا معلوم ہے تو اس کو اگر بددعا کرنا جائز نہ تھا تو صرف بددعا کا گناہ ہوا قتل کا گناہ نہ ہوگا۔ اور اگر واقعات سے اس کو اپنا صاحب تصرف ہونا معلوم ہو تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ جس وقت اس نے بددعا کی ہے آیا اس وقت یہ خالی الذہن تھا یا دل اس بات پر متوجہ تھا کہ یہ مر جائے۔ اگر خالی الذہن تھا تو بھی بددعا ہی کرنے کا گناہ ہوا قتل کا

نہیں ہوا اور اگر دوسری شق تھی یعنی اس کے ہلاک کرنے کی طرف باقاعدہ توجہ تھی تو قاتل ہونے کا بھی گناہ ہوا کیونکہ اس نے اپنے فعل سے اس کو قتل کیا۔ تصرف نفس سے قتل کرنا اور زہر دے کر مارنا برابر ہے۔ اور تجربہ سے ثابت ہے کہ نفس بھی فاعل ہوتا ہے جیسے ہاتھ پاؤں فاعل ہیں تو جیسے ہاتھ پاؤں سے قتل کرنا قتل ہے ایسے ہی قلب سے قتل کرنا بھی قتل ہے کیونکہ دونوں کا فعل برابر ہے۔ قتل کے سب احکام جاری ہوں گے البتہ اس قتل میں شبہ عمد کے احکام جاری ہوں گے۔

ایک مسئلہ اسی کے متعلق اور ہے وہ یہ کہ کوئی شخص کسی عورت سے نکاہ کرنا چاہتا ہے اور وہ نہیں چاہتی اور اس پر نکاح کرنا واجب بھی نہیں، تو اس نے کسی سے تعویذ کرایا اس غرض سے کہ وہ نکاح کرلے تو یہ بھی جائز نہیں نہ ایسا تعویذ دینا جائز ہے کیونکہ اس میں بھی عامل کی قوت خیالی کا اثر ہوتا ہے اور قلب سے کسی کو مجبور کرنا جائز نہیں البتہ میاں بی بی کی موافقت کے لئے تعویذ کرنا جائز ہے کہ دونوں میں موافقت ہوجائے اور شوہر حقوق کو ادا کرنے لگے مگر عامل یہ تصور نہ کرے کہ شوہر اس پر فریفتہ ہوجاوے بلکہ صرف تصور ادائے حقوق واجبہ کا رکھے اور جس کو آج کل تسخیر کہتے ہیں اس کا قصد نہ کرے۔ تعویذ دینے والے اور لینے والے سب کو یہی لحاظ رکھنا چاہیے۔

سفارش کا مسئلہ

اسی استعمال جاہ کے فروع(۱) میں سے ایک جزئیہ آج کل کی سفارش کا بھی ہے جو حقیقت میں زور ڈالنا ہے لوگ زور ڈال ڈال کر اپنے کام کے لئے دوسروں کو مجبور کرتے ہیں اور جو چیز دوسرے کے ذمے واجب نہ تھی اس کو اس کے ذمہ لازم کرتے ہیں سو یہ جائز نہیں کیونکہ یہ دوسرے کو مجبور کرنا ہے ہاں اگر سفارش اس طریقہ سے ہو کہ دوسرے پر بار نہ ہو اس کی آزادی میں خلل نہ پڑے تو جائز بلکہ سنت ہے۔

دلیل اس کی حضرت بریرہ k کا قصہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا

(۱) قوت اقتدار کو استعمال کرنے کی صورتوں میں سے ایک صورت آج کل سفارش ہے۔

کہ اے بریرہ تم مغیث سے نکاح کرلو یہ ان کے شوہر کا نام ہے جن سے یہ خیار عتق کے (۱) سبب جدا ہوچکی تھیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ حکم ہے یا سفارش آپ ﷺ نے فرمایا حکم نہیں سفارش ہے اس پر انہوں نے عرض کیا تو میں اس سفارش کو نہیں مانتی اس سے معلوم ہوا کہ سفارش کی حقیقت کے لئے یہ لازم ہے کہ دوسرے کی آزادی میں خلل نہ پڑے۔ چنانچہ آپ نے پھر ان کو مجبور نہیں کیا نہ ان کے صاف جواب سے آپ کو ناگواری ہوئی۔ بہرحال سفارش میں یہ صورت ہونا چاہیے کہ جس سے سفارش کی ہے اس کی آزادی میں خلل نہ ہو، نہ اس پر بار ہو اور اگر وہ ان کی سفارش قبول نہ کرے تو سفارش کرنے والا برا نہ مانے۔

اب تو کہا جاتا ہے کہ صاحب جب تک زوردار الفاظ نہ ہوں تو سفارش سے کیا ہوتا ہے اس لئے خوب زوردار الفاظ لکھوانا کہ اثر پڑے صاحب یہ تو جبر اور کراہ ہے۔ (۲)

خلاصہ وعظ

یہ چند صورتیں جاہ سے کام لینے کی جو آج کل رائج زیادہ ہیں مع ضروری احکام کے بیان کردی گئی اور بھی اس کے متعلق بہت سی جزئیات ہیں مگر سب کا استیعاب (۳) ایک جلسہ میں دشوار ہے اس لئے اب میں بیان کو ختم کرنا چاہتا ہوں اور جس حدیث کی خطبہ میں تلاوت کی تھی اسکا ترجمہ کرکے ختم کرتا ہوں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیتہ ہر شخص راعی اور حاکم ہے کوئی اپنے گھر والوں پر کوئی نوکروں پر اور بھی کچھ نہیں ہے تو اپنے نفس اور ہاتھ پاؤں پر ضرور حاکم ہوگا اور سب سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی رعیت کے بارے

(۱) جب کسی باندی کا نکاح کسی کے ساتھ اس کے آقا نے کیا ہو پھر اس باندی کو آزاد کردیا تو اس کو اختیار حاصل ہوجاتا ہے کہ اگر اپنا نکاح فسخ کرنا چاہے کرسکتی ہے انہوں نے اس اختیار سے کام لیکر نکاح فسخ کرلیا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے نکاح برقرار رکھنے کی سفارش کی تھی آج کل باندیاں نہیں ہوتیں (۲) یہ تو زبردستی مجبور کرنا ہے (۳) سب کو تفصیل سے ایک جلسہ میں بیان کرنا مشکل ہے۔

میں کیا کیا یعنی ہم نے یہ جاہ اور اثر جو تم کو ماتحتوں پر دیا تھا اس کو کہاں استعمال کیا۔

یہ سوال تو اس صورت میں ہے جب کہ جاہ اور اثر خدا تعالیٰ کا عطا کیا ہوا بدوں اس کے کسب کے اور اگر اس کے کسب اور اسباب سے حاصل ہوا ہے تو یہ سوال بھی ہوگا کہ تم کس ذریعہ سے راعی (۱) بنے تھے۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے ثابت ہوگیا کہ جاہ کے بھی حقوق ہیں قیامت میں ان کی باز پرس ہوگی کہ کہاں سے حاصل کی اور کہاں صرف کی جیسے مال کے متعلق پوچھ ہوگی کہ من این اکتسبته واین انفقته ''کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا''

اسی واسطے میں نے نمونہ کے طور پر متعدد جزئیات بیان کردیں مزید جزئیات اور ان کے متعلق احکام تحقیق سے معلوم ہوسکتے ہیں مگر میرے اس مختصر بیان سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ جاہ اور اثر جس کا نام ہے اس کا خود حاصل کرنا بجز مستثنیٰ صورتوں کے جائز نہیں اور جو بدوں تحصیل کے حاصل ہوجائے اس کا ہر جگہ استعمال کرنا جائز نہیں ہے اب لوگ شریعت کو نماز روزہ ہی میں منحصر سمجھتے ہیں حالانکہ شریعت نے سب چیزوں سے بحث کی ہے یہ دوسری بات ہے کہ کسی کو فکر اور تلاش ہی نہ ہو مگر حجت الٰہیہ قائم ہوچکی ہے اب کوئی عمل نہ کرے گا تو عنداللہ اس سے مواخذہ ہوگا۔

اب دعا کیجئے کہ خدا تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین ثم آمین۔

وصلی اللّٰہ علی خیر خلقه محمد وعلیٰ آله واصحابه اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمین۔ (۲)

(۱) نگران (۲) اللہ تعالیٰ تمام پڑھنے والوں کو اس وعظ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

خلیل احمد تھانوی

۲۰۱۳/۱۲/۸ء

h